شاہراہِ فکر و عمل پر فہمِ سلف کا چراغ

ماہنامہ

اَلمَحَجَّة

PDF

ملتِ ابراہیمی کیا ہے؟

ملتِ ابراہیمی کی یک لفظی تعبیر "سرنڈر" ہوسکتی ہے۔اسی کو عربی میں "انقیاد" یا "استسلام" کہتے ہیں۔سرِتسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے!اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

بیوقوف ہی ملتِ ابراہیمی سے اعراض کرتا ہے، ابراہیم علیہ السلام کو تو رب نے کہا پیش ہو جا، فوراً کہا: أسلمت لرب العالمین، رب العالمین میں حاضر ہوا!اللہ تعالیٰ نے فرمایا ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی، وہ تو مسلمان تھے، خالص مؤحد، یکسو، یک جہت، انی وجہت وجھی للذی فطر السموت والارض حنیفا وما انا من المشرکین کا اعلان کرنے والے۔

ابراہیم کہتے ہیں: بابا جان! یہ بے جان پتھر کچھ سنتے کہتے، کام آتے ہیں؟! میری قوم! یہ مورتیاں کیا ہیں؟! کبھی تمہاری پکار کا جواب آیا ہو؟! مشرک باپ بضد رہا تو آپ نے راستے جدا کرلیے۔سلام علیک! ٹھیک ہے ابا جی، چلتا ہوں۔الذی فطرنی فانہ سیھدین۔

اجنبی سارے جہاں میں بن گیا تیرے لیے اے خدا تیرے لیے بس اے خدا تیرے لیے

مشرک باپ کے لیے مغفرت کی اجازت کیسے ملتی؟خلش سی رہ گئی، کہنے لگے: اے اللہ اس روز رسوا مت کرنا جب کچھ کام نہ آئے گا، الا من اتی اللہ بقلب سلیم!! ہاں مگر اسلام قبول کیے ہوئے دل، ''میں'' کا ڈنک مرا ہوا، شرک کی آلائشوں سے یکسر پاک سلامتی والے دل۔

ابراہیم علیہ السلام نے اپنا جگر گوشہ وارنے کے لیے زمین پر لٹایا تو اللہ نے فرمایا: أسلما!! دونوں مسلمان ہو گئے! اسے اسلام کہتے ہیں، انقیاد، سرنڈر! ملت ابراہیمی بجز اس کے کچھ بھی نہیں۔ابراہیم علیہ السلام جب اللہ کا گھر تعمیر کر چکے تو پھر دعا گو ہوئے: مولا! مجھے اور میرے فرزند کو مسلمان کردے، ہماری نسلوں کو بھی امتِ مسلمہ بنا! دمِ رخصت پھر بیٹوں کو بلا بھیجا۔ بچو! مرنا تو اسلام پر۔رب کے سامنے جھکے رہنا، اسی حالت میں اس کے پاس پہنچ جانا۔مسلمان رہنا تو لمحے لمحے کا سبق ہے۔اللہ تعالیٰ کہتا ہے: بھلا اس سے بہتر دین کس کا ہوسکتا ہے جس نے اپنا چہرہ بارگاہ الٰہی میں جھکا دیا، مسلمان ہو گیا، کامل سپُردگی! واتبع ملة ابراهيم حنيفا، یہ بندہ ہے ابراہیمِ حنیف کی ملت کا تابع!!

جب یوسف علیہ السلام جیل میں پہنچے تو دو قیدی تعبیر پوچھنے آئے۔یوسف فرمانے لگے: پہلے کچھ بات سنو! میں بے ایمان قوم کا راستہ چھوڑ کر اپنے اجداد ابراہیم علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام کی ملت کا پیرَو ہوا ہوں، ما کان لنا ان نشرک باللہ من شيء!! اس ملت کے خمیر میں ہی شرک نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ پیارے حبیب! کہ دیجیے کہ میرے رب نے مجھے صراط مستقیم پر ڈالا ہے، راست دین پر، جو خالص مؤحد ابراہیم کا راستہ ہے۔میری نماز وقربانی، جینا مرنا جدِ کریم کی مانند یک جہت، اکیلے رب دو جہاں کے لیے، میں تو سب سے پہلا مسلمان ہوں!

تو اس عید پر جانور پر چھری پھیرتے وقت ہر بندہ اپنے آپ سے سوال کرے، هل أسلمتُ؟! کیا میں مسلمان ہو گیا؟ میں نے سرنڈر کر دیا؟! کیا میں ملتِ ابراہیم پر ہوں؟! کیا واقعی اب کسی غیر اللہ کے در پر جبیں کا جھکنا تو کیا، نگاہ وفکر تک نہ جائے گی؟!

(فیضان فیصل)

محتویات

رابطہ برائے تبصرہ وتجاویز/ مضامین ومراسلات:

00923406007170   00966583089571   00923039438696

almahajjah100@gmail.com

مضمون ہر صورت شمسی ماہ کی 10 تاریخ سے قبل بھیج دیں۔

عقیدۂ ظہورِ مہدی اور مودودی صاحب

مولانا عبدالجلیل سامرودی رحمہ اللہ

زیرِ نظر مضمون مجلہ نورِ توحید (لکھنؤ)، جلد: ۱، شمارہ: ۲۳-۲۴ سے ماخوذ ہے۔ مضمون نگار علامہ عبدالجلیل سامرودی رحمہ اللہ جماعت اہل حدیث کے جلیل القدر عالم اور ماہر نقاد تھے۔ ''زھرۃ ریاض الابرار'' سمیت ۲۵ سے زائد کتب کے مصنف ہیں۔ آپ کی وفات ۱۹۷۲ء میں ہوئی۔

مولانا مودودی کا عقیدہ امام مہدی علیہ السلام [1] کے متعلق جس طرح مکتوب مالیرکوٹلہ مندرجہ اہل حدیث گزٹ مجریہ یکم مئی ص 10 کالم 2 سے واضح ہوتا ہے، تمام اہلِ اسلام کے خلاف ہے۔ امام مہدی کا متواتر احادیث میں آنا ثابت ہے، متواتر کا منکر بالاتفاق امت محمدیہ کافر ہوتا ہے، بلکہ خبرِ آحاد کی اہانت واستخفاف کرنے والے کو بھی کافر کہا گیا ہے جیسا کہ ہم آگے واضح کریں گے۔ مولانا مودودی نے کیا اہل اسلام کو چکمہ دیا ہے، آپ فرماتے ہیں:

> ''قرآن کے صفحات اس کے ذکر سے خالی ہیں، لے دے کر اس کا ذکر روایتوں میں آتا ہے. مگر وہ روایتیں بھی اس پایہ کی ہیں کہ طبقہ اولی کی کتب احادیث میں سے کسی ایک کے اندر بھی جگہ نہ پاسکیں، نہ امام بخاری نے ان کو درخورِ اعتناء سمجھا، نہ امام مسلم نے۔''

مولانا مودودی بذاتِ خود حدیثوں کا حصر ان کتابوں میں تسلیم نہیں کرتے اور نہ اپنے دین و مذہب کا مدار ان پر تصور فرماتے ہیں، چنانچہ ان کا تنقیدی مضمون ترجمان میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ حضرات آج تک کسی محدث نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ تمام دنیا بھر کی روایات صحیح میں محصور ہیں، جو ان میں نہ ہوں وہ صحیح نہیں، البتہ یہ ضرور دعویٰ ہے کہ جو حدیثیں ان میں ہیں وہ صحیح ہیں اور بھی حدیثیں صحیح ہیں جو ان میں نہیں ہیں۔ ان باتوں کا نہ تو صحیحین والوں نے دعویٰ کیا ہے اور نہ ہی دوسری حدیثوں کا انہوں نے انکار کیا ہے۔ یہ بات ماہرینِ اصول حدیث پر پوشیدہ نہیں۔ مقدمہ ابن خلدون جس کی بنا پر مولانا مودودی ہی کے ہم نوا شبلی نعمانی رحمہ اللہ نے امام مہدی علیہ السلام پر موشگافیاں کی ہیں، وہ مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ:

> ”ومع ذلك فلم يستوعبا الصّحيح كلّه. وقد استدرك النّاس عليهما في ذلك. ثمّ كتب أبو داود السّجستاني وأبو عيسى الترمذيّ وأبو عبد الرّحمن النّسائيّ في السّنن بأوسع من الصّحيح وقصدوا

[1] احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ قربِ قیامت امام مہدی علیہ السلام تشریف لائیں گے۔ (المنار المنیف لابن القیم: ۱۴۲، فتح الباری: ۶/۴۹۴، عون المعبود: ۱۱/۳۰۸) یہ سلف وخلف میں جمہور امت کا اتفاقی عقیدہ وموقف ہے۔ (الإذاعة للقنوجي: ۱۸۲) اس پر ایمان واجب ہے۔ (لوامع الأنوار للسفارینی: ۲/۸۴) اس کے متعلق اختلاف شاذ وغیر معتبر ہے۔ (دیکھئے: عقیدۃ اھل النسۃ والاثر فی المھدی المنتظر) بلکہ بعض اہل علم کے ہاں اس کا انکار کفر ہے۔ (الروض الأنف للسھیلی: ۲/۲۷۹) مہدی علیہ السلام کی صفات کا احادیث میں بالتفصیل بیان ہے، لیکن بعض مفکرین نے بنا کسی ٹھوس دلیل وثبوت کے اس کا انکار کیا اور مولانا مودودی بھی اس نظریے سے متاثر ہو گئے تھے۔ زیرِ نظر مضمون میں مولانا کی اسی رائے کا محاسبہ کیا گیا ہے۔

ما توفّرت فيه شروط العمل إمّا من الرّتبة العالية في الأسانيد وهو الصّحيح كما هو معرف وإمّا من الّذي دونه من الحسن وغيره ليكون ذلك إماما للسنّة والعمل. وهذه هي المسانيد المشهورة في الملّة وهي أمّهات كتب الحديث في السنّة." [1]

عمل کے لیے صحیح یا حسن حدیثوں کا ہونا ضروری ہے، یہ ضروری نہیں کہ صرف بخاری یا مسلم ہی میں ہو۔ تعجب تو یہ ہے کہ جس بات کو مولانا مودودی خود تسلیم نہیں کرتے اس کو احتجاج میں پیش کرتے ہیں، یہ محض ایک ابلہ فریبی نہیں تو اور کیا ہے؟ علاوہ ازیں مولانا مودودی نے جو کچھ کہا یا لکھا ہے وہ تقلیداً لکھا ہے، علی وجہ البصیرت نہیں لکھا، بلکہ نو تعلیم یافتہ طبقہ نیچرل بھی امام مہدی علیہ السلام کے منکر ہیں اور ان ہی کی تقلید میں آپ نے گل افشانی فرمائی ہے۔ امام مہدی کی پیشین گوئی صحیح مسلم میں برابر موجود ہے مگر کسی ماہر حدیث کے سامنے دوزانو ہو کر کفش برداری کرتے، تو ضرور آپ کی رہبری ہوتی اور نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔

ملاحظہ ہو صحیح مسلم (2/395) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے:

"قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلىَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ فِي آخِرِ أُمَّتِي خَلِيفَةٌ يَحْثِي الْمَالَ حَثْيًا لَا يَعُدُّهُ عَدَدًا قَالَ قُلْتُ لِأَبِي نَضْرَةَ وَأَبِي الْعَلَاءِ أَتَرَيَانِ أَنَّهُ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَقَالَا لَا."

ایک لفظ میں یوں وارد ہے:

"يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ خَلِيفَةٌ يَقْسِمُ الْمَالَ وَلَا يَعُدُّهُ."

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اخیر زمانہ میں ایک خلیفہ ہوگا، وہ مال بے حساب تقسیم کرے گا۔'' [2]

صحیح مسلم میں ہے، مرفوعا جابر رضی اللہ عنہ سے:

قَالَ: "فَيَنْزِلُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ صَلىَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَقُولُ أَمِيرُهُمْ: تَعَالَ صَلِّ لَنَا، فَيَقُولُ: لَا، إِنَّ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ أُمَرَاءُ، تَكْرِمَةَ اللّٰهِ هَذِهِ الْأُمَّةَ۔"

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عیسی علیہ السلام اتریں گے، امیر القوم کہے گا عیسی علیہ السلام سے، کہ آیئے نماز ہمیں پڑھایئے، عیسی علیہ السلام فرمائیں گے بعض تمہارے بعض پر امیر ہیں، یہ تو خدا نے اس امت کو شرافت بخشی ہے۔'' [3]

یہ امیر، یہ خلیفہ امام مہدی علیہ السلام ہی ہیں، چنانچہ اس کی توضیح خود دوسری حدیثوں میں بالوضاحت آچکی ہے، پہلی حدیث کی تفسیر ملاحظہ ہو:

"اخرج أحمد فی مسنده وأبو يعلى بسند جيد عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخدريّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلىَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " أُبَشِّرُكُمْ بِالْمَهْدِيِّ، يُبْعَثُ فِي أُمَّتِي عَلَى اخْتِلَافٍ مِنَ النَّاسِ وَزَلَازِلَ، فَيَمْلَأُ الْأَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا، كَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا وَظُلْمًا.... الحديث كما في الام بحكم عيسى عليه السلام، ص: 348، العرف الوردى، ص: 214۔" [4]

[1] تاریخ ابن خلدون، مقدمة: ۱/۵۵۹
[2] صحيح مسلم: 2914
[3] صحيح مسلم: 156
[4] مسند احمد: 11326

ابوداود وطبرانی میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعا ہے:

”لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا يَوْمٌ لَطَوَّلَ اللهُ ذَلِكَ الْيَوْمَ حَتَّى يَبْعَثَ فِيهِ رَجُلًا مِنِّي أَوْ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي يُوَاطِئُ اسْمُهُ اسْمِي، وَاسْمُ أَبِيهِ اسْمَ أَبِي يَمْلَأُ الْأَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَجَوْرًا.“ [1]

”وأخرج أحمد و أبو داود والترمذي وقال حسن صحيح عن ابن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم ”لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتَّى يَمْلِكَ الْعَرَبَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي يُوَاطِئُ اسْمُهُ اسْمِي.“ [2]

تفسیر ملاحظہ ہو:

”أخرج ابن ماجه والروماني وابن خزيمة وأبو عوانة والحاكم وأبو نعيم واللفظ له عن أبي أمامة مرفوعا وفيه: ”وَإِمَامُهُمْ رَجُلٌ صَالِحٌ، فَبَيْنَمَا إِمَامُهُمْ قَدْ تَقَدَّمَ يُصَلِّي بِهِمُ الصُّبْحَ إِذْ نَزَلَ عَلَيْهِمْ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ الصُّبْحَ، فَرَجَعَ ذَلِكَ الْإِمَامُ يَنْكُصُ يَمْشِي الْقَهْقَرَى؛ لِيَتَقَدَّمَ عِيسَى يُصَلِّي بِالنَّاسِ، فَيَضَعُ عِيسَى يَدَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ، ثُمَّ يَقُولُ لَهُ: تَقَدَّمْ فَصَلِّ، فَإِنَّهَا لَكَ أُقِيمَتْ. فَيُصَلِّي بِهِمْ إِمَامُهُمْ“. كذا في العرف الوردي.“ [3]

”أخرج أبو نعيم في أربعينه عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ينزل عيسى بن مريم فيقول الا وإن بعضكم عن بعض أمرآء تكرمة الله لهذه الأمة.“

میرے عزیز برادران اسلام! یہ ہے مولانا مودودی صاحب کا مبلغ علم، حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور کی روایتیں متعدد صحابہ سے وارد ہیں۔ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

”فنقول إنّ جماعة من الأئمة خرّجوا أحاديث المهديّ منهم الترمذيّ وأبو داود والبزّاز وابن ماجة والحاكم والطّبراني وأبو يعلى الموصلي وأسندوها إلى جماعة من الصّحابة مثل علي وابن عبّاس وابن عمر وطلحة وابن مسعود وأبي هريرة وأنس وأبي سعيد الخدريّ وأمّ حبيبة وأمّ سلمة وثوبان وقرّة بن إياس وعلي الهلالي وعبد الله بن الحارث بن ابن جزء بأسانيد.“ [4]

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اربعین ابونعیم پر امام مہدی کے متعلق روایات زیادہ کر کے ایک کتاب بنام ”العرف الوردی فی اخبار المھدی“ تالیف کی، قریب قریب تمام روایتیں جو امام مہدی کے متعلق وارد تھیں، جمع کر کر دی ہیں اور بھی اپنی متفرق کتابوں میں احادیث امام مہدی کو بیان کیا ہے، ان کی ایک کتاب الحاوی للفتاوی مصر میں طبع ہوئی ہے، یہ رسائل اس میں قریب قریب سب درج ہیں جن کے ملاحظہ سے کامل یقین ہو جاتا ہے کہ احادیث ظہور امام مہدی متواتر و اجماعی امر ہے، آج تک کسی نے اس کا انکار نہیں کیا، یہی وجہ ہے کہ مسئلہ ظہور امام مہدی اہل اسلام کے اہم معتقدات سے شمار کیا جاتا ہے۔ ابن خلدون گو کہ احادیث امام مہدی میں منکرین کی جرحیں نقل کرتا ہے، مگر اس کو پھر بھی کہنا پڑا

---

[1] سنن ابو داود: 4282

[2] سنن الترمذی: 2230، سنن ابو داود: 4282، مسند احمد: 3573

[3] سنن ابن ماجہ: 4077

[4] تاریخ ابن خلدون، مقدمہ ۱/۳۸۸

کہ اقل قلیل روایتیں جرح سے محفوظ ہیں جب روایتیں جرح سے محفوظ ہیں تو پھر کلام کی کوئی وجہ نہیں۔مع ھذا کافہ.....اہل اسلام کا اعتقاد بھی بیان کرنے میں خامی نہیں رکھتے، آپ لکھتے ہیں:

"اعلم أنّ في المشهور بين الكافّة من أهل الإسلام على ممرّ الأعصار أنّه لا بدّ في آخر الزّمان من ظهور رجل من أهل البيت يؤيّد الدّين ويظهر العدل ويتبعه المسلمون ويستولي على الممالك الإسلاميّة ويسمّى بالمهديّ ويكون خروج الدّجّال وما بعده من أشراط السّاعة الثّابتة في الصّحيح على أثره وأنّ عيسى ينزل من بعده فيقتل الدّجّال أو ينزل معه فيساعده على قتله ويأتمّ بالمهديّ في صلاته ويحتجّون في الشّأن بأحاديث خرّجها الأئمة." [1]

مؤرخ ابن خلدون کا یہ کلام بہانگ دہل پکار کر کہہ رہا ہے کہ مسئلہ امام مہدی عند الجمہور اجماعی ہے، کافہ اہل اسلام سلفاً عن خلف کا عقیدہ بلانکیرِ احد چلا آرہا ہے اور یہ بات بھی مسلَّم ہے کہ جمہور کے مقابلے میں غیر جمہور کا کلام قابل استناد نہیں، علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ منہاج السنہ (211/4) میں فرماتے ہیں:

"أَنَّ الْأَحَادِيثَ الَّتِي يحتَجُّ بِهَا عَلَى خُرُوجِ المهْدِيِّ أَحَادِيثُ صَحِيحَةٌ، رَوَاهَا أَبُو دَاوُدَ وَالترمِذِيُّ وَأَحمدُ وَغَيرُهمْ، مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَغَيْرِهِ." وساق الحديث."

جن احادیث سے خروج امام مہدی پر استدلال کیا جاتا ہے وہ صحیح ہیں، انہیں ابوداود و ترمذی واحمد وغیرہ نے ابن مسعود وغیرہ سے روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری (358/6) میں ابوالحسن خسعی کی مناقب شافعی سے مذکور ہے:

"تَوَاتَرَتِ الْأَخْبَارُ بِأَنَّ المهْدِيَّ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَأَنَّ عِيسَى يُصَلي خَلْفَهُ."

''امام مہدی کا اس امت سے ہونا اور عیسی علیہ السلام کا ان کے پیچھے نماز پڑھنا متواتر حدیثوں سے ثابت ہے۔''

''اشاعہ فی اشراط الساعہ'' ص 123 میں ہے:

"اعلم أن الأحاديث الواردة فيه على اختلاف رواياتها لا تكاد تنحصر فقد قال محمد بن الحسن الاسنوي في كتاب مناقب الشافعي قد تواترت الأخبار عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بذلك المهدي وأنه من أهل بيت."

''خوب اچھی طرح پہچان لو کہ وہ حدیثیں جو کہ امام مہدی کے ظہور کے متعلق آئی ہیں اس قدر متعدد واقع ہوئی ہیں، کہ ان کا حصر ممکن نہیں، محمد بن الحسن اسنوی نے مناقب امام شافعی میں ذکر کیا ہے کہ امام مہدی کے بیان میں حدیثیں متواتر ہیں اور وہ آپ کے اہل بیت سے ہیں۔''

نیز اشاعہ کے صفحہ 70 میں ہے:

"قد علمت ان أحاديث وجود المهدي وخروجه اخر الزمان وأنه من عترة رسول الله صلى الله عليه

[1] تاریخ ابن خلدون، مقدمہ: ۳۸۸/۱

وسلم من ولد فاطمة عليها السلام بلغت حد التواتر المعنوي فلا معنى لانكارها ومن ثم ورد من كذب بالدجال فقد كفر ومن كذب بالمهدي فقد كفر رواه أبو بكر الاسكاف فى فوائد الأخبار وأبو القاسم السهيلي في شرح السير."

اس جگہ بھی صاف واضح طور سے بیان کر دیا کہ امام مہدی کے وجود کی روایتیں اور ان کے اخیر زمانہ میں ظہور اور عترت رسول ﷺ و فاطمۃ الکبری رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہونے کی حدیثیں تواتر معنوی تک پہنچ گئی ہیں یہی ایک وجہ ہے کہ آیا ہے روایات میں کہ جو دجال کا انکار کرے وہ کافر ہے، جو امام مہدی کی تکذیب کرے وہ کافر ہے، اس کو ابو بکر اسکاف نے اپنی فوائد الاخبار میں اور ابو القاسم سہیلی نے سیرت کی شرح میں ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ملا علی قاری نے بھی اسے شرح بدء الامالی کے صفحہ 27 میں بیان کیا ہے۔

فاضل سہیلی شرح سیرت ابن ہشام میں لکھتے ہیں:

"وَالْأَحَادِيثُ الْوَارِدَةُ فِي أَمْرِ الْمَهْدِيّ كَثِيرَةٌ وَقَدْ جمعهَا أَبُو بَكْرِ بْنِ أَبِي خَيْثَمَةَ فَأَكْثَرَ وَمِنْ أَغْرَبِهَا إسْنَادًا مَا ذَكَرَهُ أَبُو بَكْرٍ الْإِسْكَافُ فِي فَوَائِدِ الْأَخْبَارِ مُسْنَدًا إلَى مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ مُحمّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلىَ اللّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَنْ كَذّبَ بِالدّجّالِ فَقَدْ كَفَرَ وَمَنْ كَذّبَ بِالْمَهْدِيّ فَقَدْ كَفَرَ." [1]

حافظ جلال الدین سیوطی نے العرف الوردی فی اخبار المہدی میں لکھا ہے:

"قال أبو الحسن محمد بن الحسين بن إبراهيم بن عاصم السجزي قد تواترت الأخبار واستفاضت بكثرة رواتها عن المصطفى بمجيء المهدي وأنه من أهل بيتي وأنه سيملك سبع سنين."

اسی طرح علامہ سفارینی نے شرح عقیدہ (2/82) میں فاضل یلمعی الشیخ مرعی کی کتاب ''فوائد الفکر فی المہدی المنتظر'' سے نقل کیا ہے، جلد 2 صفحہ 80 میں فاضل سفارینی لکھتے ہیں:

"قد كثرت بخروجه الروايات حتى بلغت حد التواتر المعنوي وشاع ذلك بين علماء السنة حتى عد من معتقداتهم."

جلد 2 صفحہ 69 میں فرماتے ہیں:

"قال بعض حفاظ الأمة وأعيان الائمة أن كون المهدي من ذريح صلى الله عليه وسلم مما تواتر عنه ذلك فلا يسوغ العدول ولا التفات إلى غيره."

ان تصریحاتِ ائمہ سے روز روشن کی طرح ہویدا ہو گیا کہ ظہور امام مہدی کی حدیثیں تواتر معنوی تک پہنچ چکی ہیں احادیث متواتر معنوی کا انکار کفر ہے۔ ملاحظہ ہو: (شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ص 151 طبع مصر)

في المحيط: "من أنكر الأخبار المتواترة في الشريعة كفر.. إلى أن قال.. ثم اعلم أنه أراد بالمتواتر ههنا

[1] الروض الأنف: ٢٧٩/٢

التواتر المعنوي لا اللفظي."

''متواتر معنوی کا انکار کفر ہے۔''

في الخلاصة: "من رد حديثا قال بعض المشايخ يكفر و قال المتأخرون إن كان متواترا أكفر, أقول: هذا هو الصحيح إلا إذا كان رد حديث الآحاد من الأخبار على وجه الاستخفاف والاستحقار و الإنكار." [1]

''متواتر حدیثوں کا منکر کافر ہوتا ہے، متواتر سے مراد متواتر معنوی ہے، ہاں خبر آحاد کا منکر استخفاف و استحقار کی بنا پر بھی کافر ہے۔''

مولانا مودودی کا انکار کس قسم کا ہے وہ عیاں ہے۔ عیاں را چہ بیان۔ مولانا چونکہ حنفی ہیں اس لیے آپ ہی کے مذہب کی کتابوں سے شہادت حاصل ہونا آپ کی تسلی کے لیے کافی سے زیادہ ہے، آپ کو اس سے عبرت حاصل کرنا چاہیے ہاں بقول اذا لم تستحی فاصنع ما شئت بعض ہمارے خوش۔

فہم حدیثِ ابن ماجہ (لا مہدی إلا عیسی) سے استدلال کرتے ہیں، عدم وجود مہدی پر۔ مگر یہ ان کی کلام عرب سے ناواقفی ہے، کلام عرب میں مشہور ہے۔ لا سیف الا ذو الفقار۔ لا فتی الا علی وغیرہ۔

آج تک کسی نے اس سے یہ استدلال کیا، کہ بجز ذو الفقار کے دنیا میں تلوار ہی نہیں؟ اور علی کے علاوہ دنیا میں جوان ہی نہیں؟ بلکہ معنی مخصوص نفی کی جاتی ہے۔ بعینہٖ یہاں بھی اسی طرح ہے، اس سے عدمِ ظہور مہدی پر استدلال کرنا اصلاً صحیح نہیں، علاوہ ازیں یہ روایت بھی صحیح نہیں، اگر صحیح مان بھی لیا جائے تو متواتر احادیث کے مقابلے میں حجت نہیں ہوسکتی۔ کما لا یخفی علی المہرۃ الکملۃ ھذا اظہر فی ظہور الامام مہدی۔

واللہ ولی التوفیق وأنا الراجي رحمة ربه أبو عبد الكبير عبد الجليل سامرودي كان الله له.

[1] شرح الفقہ الأکبر ص 151 طبع مصر، صفحہ: 376 طبع جدید

عقیدہ؛ معنی ومفہوم اور فضیلت

(اسلامی عقائد اور باطل نظریات: ۲)

عبد الوہاب انجم

abdulwahab5532773@gmail.com

دنیا میں رائج تمام شرعی وغیر شرعی علوم وفنون کو کسی خاص اصطلاح سے جانا جاتا ہے، اور یہ اصطلاح کسی علم کی پہچان کے لئے حد فاصل ہوتی ہے۔ ایسے ہی اسلامی تعلیمات کے اصولوں کو" عقائد" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ایک مسلمان ہونے کے ناطے ضروری ہے کہ ہم اپنے دین کے اصولوں کو جانیں، اور پھر ان تعلیمات کو عملی جامہ پہنائیں۔

لفظ عقیدہ کا لغوی مفہوم:

لفظ عقیدہ ''عقد'' سے ماخوذ ہے اور لفظ ''عقد'' عربی زبان میں چار مرکزی معنوں میں استعمال ہوتا ہے:

① کسی چیز کو انتہائی مضبوطی سے باندھنا۔ [1]

② عہد و پیمان کرنا۔

اس معنیٰ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی کیا ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے عہد پورے کیا کرو۔'' [2]

③ کسی ایک چیز کو کسی دوسری چیز کے ساتھ لازم وملزوم قرار دینا۔

اس معنیٰ کا ذکر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا گیا ہے:

"الخيلُ مَعْقُودٌ في نَوَاصِيهَا الخيرُ إلَى يَوْمِ الْقِيامَةِ"

''قیامت کے دن تک گھوڑوں کی پیشانیوں میں خیر وبھلائی بندھی ہوئی ہے۔'' [3]

④ کسی چیز کی تاکید واہمیت پیدا کرنا۔ [4]

لفظ عقیدہ کا اصطلاحی معنیٰ:

زیادہ تر کسی بھی لفظ کا لغوی معنیٰ عمومیت کا حامل ہوتا ہے۔ اور جب اس کے اصطلاحی معنیٰ کی باری آتی ہے تو اس میں خصوصیت آجاتی

---

[1] الصحاح للجوہری: 510/2

[2] سورة المائدة: 1

[3] صحيح البخاري: 2852، صحيح مسلم: 987

[4] المفيد في مهمات التوحيد لعبد القادر عطا صوفي: 8

ہے۔جیسا کہ لفظ ’’عقیدہ‘‘ کے لغوی معنی میں ایک سے زیادہ معانی موجود ہیں، جبکہ اصطلاحی معنی ایک خاص مقصود پر دلالت کرتا ہے۔

لفظ عقیدہ کا اصطلاحی معنی دو طرح کا ہے:

① اصطلاح عام

② اصطلاح خاص (شرعی معنی)

اصطلاح عام: ہر وہ پختہ عزم جس میں کسی بھی قسم کے شک وشبہ کی آمیزش نہ ہو وہ عقیدہ کہلاتا ہے، خواہ وہ عزم حق پر مبنی ہو یا باطل پر۔

اصطلاح خاص: عقیدۂ اسلامیہ کی شرعی حیثیت میں کئی تعریفیں کی گئی ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

① عقیدہ وہ عظیم الشان کلمہ ہے جس پر انسان اپنا عزم مصمم (پختہ) کر لیتا ہے۔ [1]

② وہ ایمان کامل جس کا تعلق توحید ربوبیت، الوہیت، اسماء وصفات، نبوات، روزِ قیامت اور بقیہ علمی وایمانی امور سے ہو، عقیدہ اسلامیہ کہلاتا ہے۔ [2]

③ اللہ تعالیٰ، فرشتوں، کتابوں، انبیاء ورُسل، قیامت کے دن اور اچھی اور بری تقدیر پر پختہ ایمان رکھنا عقیدہ اسلامی کہلاتا ہے۔

مندرجہ بالا تعریفات پر اگر بغور نظر ڈالی جائے تو یہ بات بخوبی سمجھ آتی ہے کہ لفظ ’’عقیدہ‘‘ کی جتنی بھی اصطلاحی تعریفات کتابوں میں مسطور ہیں، وہ دو قسم کی ہیں:

① کچھ علماء اس کو صرف ارکان ایمان تک محدود رکھتے ہیں۔

② کچھ علماء ارکان ایمان کے ساتھ ساتھ کچھ وضاحتی چیزوں کا اضافہ کر دیتے ہیں مثال کے طور پر غیبی، قطعی اور اصول الدین جیسے الفاظ۔

اور مجموعی طور جتنی بھی عقیدہ کی تعریفیں کی گئی ہیں، ان کا نتیجہ اور ماحصل ایک ہی ہے گرچہ عبارات میں لفظی اختلاف موجود ہے۔ تمام تعریفات تین مرکزی چیزوں پر مشتمل ہوتی ہیں:

الف) عقیدہ قطعی اور یقینی چیز ہے۔

ب) عقیدہ کا مقام ومحل انسان کا دل ہے۔

ج) عقیدہ کا تعلق غیبی امور سے ہے۔ [3]

لفظ عقیدہ پر وارد ہونے والا ایک شبہہ:

بعض اہل کلام کا لفظ ’’عقیدہ‘‘ کے متعلق یہ کہنا ہے کہ اس لفظ کا استعمال قرآن وسنت اور صحابہ کرام سے منقول نہیں ہے، لہٰذا اس کو استعمال کرنا بدعت ہے۔ اہل کلام اور دیگر اہل بدعت کا اس اصطلاح کے متعلق مقدمہ اور پھر اس پر نتیجہ دونوں سرے سے ہی غلط ہیں۔ اس کی وضاحت درج ذیل ہے:

اُولا: بالفرض یہ بات تسلیم بھی کر لیں کہ لفظ عقیدہ قرآن وسنت میں وارد نہیں ہوا تب بھی اعتراض نہیں بنتا۔ کیونکہ ہر علم کے لیے کچھ اصطلاحات وضع کی جاتی ہیں جن سے اس علم کی پہچان ہوتی ہے۔ اور یہ چیز ایک ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے، چہ جائیکہ کوئی عالم دین۔ جیسا کہ

---

[1] مجموع فتاوی ابن تیمیة: 4/74

[2] العقیدۃ الإسلامیة و تاریخها لمحمد أمان الجامي: 5

[3] المطالب المفیدہ فی مسائل العقیدہ: 1/30

عربی گرائمر کو صرف ونحو کے علم سے جانا جاتا ہے۔ایسے ہی دین اسلام کے بنیادی اصولوں کو عقائد سے جانا جاتا ہے۔

ثانیا: علماءِ سلف وخلف سے یہ قاعدہ متواتر ثابت ہے کہ کسی بھی صحیح علمی اصطلاح پر انکار نہیں کیا جائے گا۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”والاصطلاحات لا مشاحة فيها إذا لم تتضمن مفسدة.“

”اصطلاحاتِ علمیہ میں جب تک غلط معنی نہ ہو اس وقت تک اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔“ [1]

ثالثاً: لفظ ”عقیدہ“ کی اصل قرآن، حدیث اور صحابہ کرام کے اقوال سے بھی ثابت ہے۔

لفظ عقیدہ قرآن مجید میں:

لفظ عقیدہ کا لفظی مادہ قرآن مجید میں بھی وارد ہوا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے عہد پورے کیا کرو۔“ [2]

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ﴾

”اللہ تعالیٰ تمھارے لغو قسموں پر مواخذہ نہیں کرے گا لیکن جو قسمیں تم نے پختہ ارادے سے کھائیں ان پر مواخذہ کرے گا۔“ [3]

لفظ عقیدہ حدیثِ نبوی میں:

لفظ عقیدہ کا لفظی مادہ حدیث نبوی ﷺ میں بھی وارد ہوا ہے۔فرمان رسول اللہ ﷺ ہے:

”لا يَعْتَقِدُ قَلْبُ مُسلِمٍ على ثَلاثِ خِصالٍ إلا دَخَلَ الجنّةَ، قَالَ قُلْتُ: ما هُنّ؟ قَالَ: إِخْلاصُ العَمَلِ لِلّٰهِ، وَالنَّصِيحَةُ لِوُلاةِ الأَمْرِ، وَلُزُومُ الجماعَةِ“

”کسی مسلمان کا دل اگر تین چیزوں پر بندھ جائے تو وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا: پوچھا گیا وہ کونسی چیزیں ہیں؟ فرمایا: خالص نیت سے عمل کرنا، حاکم وقت کی خیر خواہی کرنا، جماعت المسلمین کو لازم پکڑی رکھنا۔“ [4]

لفظ عقیدہ کا استعمال سلف صالحین کے ہاں:

جس طرح لفظ عقیدہ کا استعمال قرآن وحدیث میں موجود ہے، ایسے ہی سلف صالحین نے بھی اپنے اقوال میں اس مبارک لفظ کا استعمال کیا ہے، بلکہ انہوں نے کثرت سے اپنی کتابوں کے نام اس عمدہ لفظ سے رکھے ہیں۔جیسا کہ:

① أصل السنة وإعتقاد الدين/أبو حاتم الرازي (٣٢٧ھ)

[1] مدارج السالكين:3/306

[2] سورة المائدة:1

[3] سورة المائدة:89

[4] سنن الدارمي:240

② إعتقاد أئمة الحديث/أبو بكر الإسماعيلي (٣٧١ھ)

③ شرح أصول إعتقاد أهل السنة والجماعة/أبو القاسم اللالكائي (٤١٨ھ)

④ عقيدة السلف أصحاب الحديث/أبو عثمان الصابوني (٤٤٩ھ)

⑤ الإعتقاد على مذهب السلف أهل السنة والجماعة/أبو بكر البيهقي (٤٨٧ھ)

وغیرہ

علم عقیدہ کی فضیلت:

① عقیدہ توحید کی فضیلت میں اگر صرف یہ ہی کہہ دیا جائے کہ اس علم کا تعلق ذات باری تعالیٰ کے ساتھ ہے تو یہی اس علم کے شرف کے لئے کافی ہے، کیونکہ شرفِ علم کا تعلق شرفِ معلوم کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ تو جب رب العالمین کی ذات اقدس تمام ذوات سے اعلیٰ و امثل ہے، تو اس ذات کے متعلق علم بھی اعلیٰ و افضل ہوگا۔

② یہ وہ علم ہے جس کی پہچان کرنے، کروانے اور پھر اس پر عمل کرنے کے لئے انسان کی تخلیق کی گئی۔

فرمان تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔'' [1]

③ یہ ہی وہ علم ہے جو انبیاء و رسل کی بعثت، اور کتب و صحف کے نزول کی بنیاد بنا۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ﴾

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو، پھر ان میں سے کچھ وہ تھے جنھیں اللہ نے ہدایت دی اور ان میں سے کچھ وہ تھے جن پر گمراہی ثابت ہوگئی۔ پس زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔'' [2]

④ یہ ہی وہ علم ہے جس کی وجہ سے انسان کو دنیا میں ہدایت و توفیق سے نوازا جاتا ہے۔

⑤ اسی کی بنیاد پر کل روز قیامت انسان کو جنت و جہنم کا مستحق قرار دیا جائے گا۔

⑥ اسی کی بنا پر انسان شفاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حقدار ٹھہرے گا۔

⑦ اس کی بدولت کسی بھی کلمہ گو کو دائمی سزا سے محفوظ رکھا جائے گا۔

(جاری ہے)

[1] سورۃ الذاریات:55

[2] سورۃ النحل:36

قبر کے عذاب کا بیان (حصہ اول)

عمر عبد السلام
umarbhuttvi@gmail.com

بعض لوگ عذاب قبر کے سرے سے ہی منکر ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ثواب وعذاب کا معاملہ قیامت کے دن ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے:

﴿وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾

''اور تمھیں تمھارے اجر قیامت کے دن ہی پورے دیے جائیں گے۔'' [1]

اس لیے قیامت سے پہلے کوئی عذاب یا ثواب نہیں۔

ایک دلیل اس کی وہ یہ دیتے ہیں کہ قرآن مجید میں انسان کی صرف دو موتوں اور دو زندگیوں کا ذکر ہے:

﴿قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَىٰ خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ﴾

''وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو دفعہ موت دی اور تو نے ہمیں دو دفعہ زندہ کیا، سو ہم نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا، تو کیا نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟'' [2]

ان دو موتوں اور دو زندگیوں کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے خود فرمادی ہے:

﴿كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾

''تم کیسے اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے تو اس نے تمھیں زندگی بخشی، پھر وہ تمھیں موت دے گا، پھر تمھیں زندہ کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔'' [3]

سو اگر قبر میں عذاب یا ثواب مانا جائے تو دو موتوں اور دو زندگیوں کی بجائے تین زندگیاں اور تین موتیں ماننا پڑیں گی۔ اس کے علاوہ جسے قبر ملی ہی نہیں اسے جلا دیا گیا یا وہ کسی درندے کی خوراک بن گیا اس کے لیے عذاب قبر کا کچھ مطلب نہیں۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ قبر میں عذاب صرف روح کو ہوتا ہے جسم کو نہیں۔ کیونکہ کفار کے جسم ہمارے سامنے ہوتے ہیں اور قبر کھول کر بھی دیکھا جائے تو ان پر عذاب کا کوئی نشان نہیں ہوتا۔ فرعون کی لاش اور دوسرے کئی لوگوں کی حنوط شدہ لاشیں سب کے سامنے ہیں ان پر عذاب کا کوئی نشان نہیں۔ [4]

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی زندگی ختم ہونے کے ساتھ مرتے وقت بھی، اور موت کے بعد قیامت سے پہلے بھی عذاب وثواب ہوتا ہے اور

---

[1] سورۃ آل عمران:185

[2] سورۃ غافر:11

[3] سورۃ البقرۃ:28

[4] مصری میوزیم میں موجود حنوط شدہ لاش کی فرعون کی طرف نسبت محل نظر ہے۔ ملاحظہ ہو: (لقاء الباب المفتوح للشیخ ابن عثیمین:183)

جس طرح نیکی اور بدی میں روح اور جسم دونوں شریک تھے،ثواب وعذاب میں بھی دونوں شریک ہوتے ہیں۔موت کے بعد روح کو بدن میں لوٹایا جاتا ہے۔اور میت کے جسم کے ہر ذرے کے ساتھ روح کا تعلق جوڑا جاتا ہے خواہ وہ جلایا جا چکا ہو یا اسے کسی درندے نے کھا لیا ہو خواہ ویسے ہی اس کے اجزاء بکھر چکے ہوں۔

چونکہ ان اقوال کے قائلین اپنی بات کے خلاف احادیث کو خواہ وہ بالکل صحیح ہوں یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ یہ اخبار احاد ہیں اور ان کے خیال میں خبر واحد سے یقین حاصل نہیں ہوتا،اس لیے پہلے قرآن مجید کی تین آیات ذکر کرتے ہیں جن سے قیامت سے پہلے بعض لوگوں کے لیے عذاب ثابت ہوتا ہے۔

سب سے پہلے تو جاننا چاہیے کہ اللہ تعالی کے فرمان کے مطابق ہر انسان کو قبر ملتی ہے چنانچہ فرمایا:

﴿قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۝١٧ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝١٨ مِنْ نُّطْفَةٍ ۭ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝١٩ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝٢٠ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝٢١ ثُمَّ اِذَا شَاۗءَ اَنْشَرَهٗ ۝٢٢﴾

''مارا جائے انسان! وہ کس قدر ناشکرا ہے۔اس نے اسے کس چیز سے پیدا کیا۔ایک قطرے سے،اس نے اسے پیدا کیا، پس اس کا اندازہ مقرر کیا۔پھر اس کے لیے راستہ آسان کر دیا۔پھر اسے موت دی، پھر اسے قبر میں رکھوایا۔پھر جب وہ چاہے گا اسے اٹھائے گا۔'' [1]

یہاں اللہ تعالی نے ہر انسان کو نطفہ سے پیدا کرنے کے ساتھ اسے قبر میں رکھوانے کا ذکر فرمایا ہے۔

اسی طرح فرمایا:

﴿وَمَا مِنْ دَاۗبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾

''اور زمین میں کوئی چلنے والا (جاندار) نہیں مگر اس کا رزق اللہ ہی پر ہے اور وہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ اور اس کے سونپے جانے کی جگہ کو جانتا ہے،سب کچھ ایک واضح کتاب میں درج ہے۔'' [2]

حافظ عبد السلام بن محمد ﷾ فرماتے ہیں:

''یہ بھی اللہ تعالی کے علم ہی کا مزید بیان ہے۔''مُسْتَقَرٌّ'' اور ''مُسْتَوْدَعٌ'' کی تفسیر اگرچہ لوگوں نے مختلف بیان کی ہے،مگر الفاظ کے پیش نظر واضح مطلب یہی نظر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ تمام جگہیں بھی جانتا ہے جہاں انسان نے کچھ مدت کے لیے ٹھہرنا ہے،خواہ باپ کی پشت ہو یا ماں کا رحم، یا زمین کا کوئی حصہ جہاں اس نے زندگی میں ٹھہرنا ہے اور اللہ تعالیٰ وہ جگہیں بھی جانتا ہے جن کے سپرد انسان نے مرنے کے بعد ہونا ہے،خواہ وہ زمین میں کھودی ہوئی جگہ ہو یا کسی جانور کا پیٹ یا جو جگہ بھی اللہ تعالیٰ نے قیامت تک اس کے سپرد ہونے کے لیے لکھی ہے اور وہ سب کچھ اس کے لیے قبر ہی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو موت اور قبر دینے کا ذکر فرمایا ہے: ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ [عبس: ۲۱] ''پھر اسے موت دی، پھر اسے قبر میں رکھوایا۔'' پھر قیامت کو زندہ ہو کر اسے دوزخ کے سپرد ہونا ہے یا جنت کے، یہ سب اس کے لیے ''مُسْتَوْدَعٌ'' (سونپے جانے کی جگہ) ہیں۔''

[1] سورۃ عبس: 17تا22

[2] سورۃ ھود: 6

دوسری بات یہ ہے کہ صحیح احادیث میں میت کو قبر میں رکھے جانے کے بعد اس کے پاس دو فرشتوں کے آنے اور اسے اٹھا کر بٹھانے کا ذکر ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ روح بدن میں لوٹائی جاتی ہے اور قبر میں باز پرس اور راحت یا عذاب کا معاملہ اس آدمی سے ہوتا ہے جس کے بدن میں روح لوٹائی جاتی ہے۔ کیونکہ زندگی میں نیکی اور بدی میں روح اور بدن دونوں شریک تھے۔ اس سلسلے میں اس آدمی والی حدیث بھی قابل ذکر ہے جس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ وہ اس کے مرنے کے بعد اسے جلا دیں اور اس کی آدھی راکھ خشکی میں اور آدھی سمندر میں اڑا دیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

”فَأَمَرَ اللّٰهُ الْبَحْرَ، فَجَمَعَ مَا فِيهِ، وَأَمَرَ الْبَرَّ فَجَمَعَ مَا فِيهِ، ثُمَّ قَالَ: لِمَ فَعَلْتَ ؟ قَالَ: مِنْ خَشْيَتِكَ، وَأَنْتَ أَعْلَمُ۔ فَغَفَرَ لَهُ۔“

”پھر اللہ نے سمندر کو حکم دیا یا تو اس نے وہ سب اکٹھا کر دیا جو اس میں تھا اور خشکی کو حکم دیا تو اس نے وہ سب اکٹھا کر دیا جو اس میں تھا پھر فرمایا تو نے یہ کام کیوں کیا؟ اس نے کہا تیرے ڈر سے اور تو خوب جاننے والا ہے تو اللہ نے اسے بخش دیا۔“ [1]

اگر عذاب وثواب کا معاملہ صرف روح سے ہے تو سمندر اور خشکی سے راکھ اکٹھی کر کے زندہ کرنے کے بعد سوال وجواب کی کیا ضرورت ہے، سیدھا روح سے سوال کر لیا جاتا!

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کو قبر میں دفن کیا جائے اس سے سوال وجواب اسی گڑھے میں ہوتے ہیں جس میں وہ دفن ہے اور وہی اس کی قبر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے نبی ﷺ کو منافقین کے متعلق فرمایا:

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ﴾

”اور ان میں سے جو کوئی مر جائے اس کا کبھی جنازہ نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔“ [2]

اور فرمایا:

﴿وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ﴾

”اور جب قبریں الٹ دی جائیں گی۔“ [3]

اور فرمایا:

﴿أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ﴾

”تو کیا وہ نہیں جانتا جب قبروں میں جو کچھ ہے باہر نکال پھینکا جائے گا۔“ [4]

ان سب آیات میں قبر سے مراد وہ گڑھا ہے جس میں آدمی کو دفن کیا جاتا ہے۔ اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب میت کو دفن کرنے سے فارغ ہوتے تو اس پر ٹھہر جاتے اور فرماتے:

---

[1] صحیح بخاری: 7506

[2] سورۃ التوبۃ: 84

[3] سورۃ الإنفطار: 4

[4] سورۃ العادیات: 9

”استغفروا لأخیکم وسلوا له بالتثبیت، فإنه الآن یسأل“

”اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لئے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو کیونکہ اب اس سے سوال کیا جا رہا ہے۔“ [1]

اس کے علاوہ مسجد کی صفائی کرنے والی خاتون کی قبر پر جنازہ پڑھنے اور دو قبروں پر کھجور کی ٹہنی گاڑنے کی احادیث سے بھی ظاہر ہے کہ قبر سے مراد یہی گڑھا ہے، جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے اور اسی میں اس سے سوال وجواب اور ثواب یا عذاب ہوتا ہے۔

یہ ان لوگوں کا معاملہ ہے جنہیں زمین میں دفن کیا جاتا ہے۔ رہے وہ لوگ جو پانی میں غرق ہو گئے یا جنہیں کوئی درندہ کھا گیا یا جل کر راکھ ہو گئے تو اس کی قبر وہی ہے، جہاں اس کے اجزاء پڑے ہوئے ہیں اور وہیں انہیں ثواب یا عذاب ہو رہا ہے۔ قبر کے سوال وجواب بھی وہیں ہوتے ہیں کیونکہ مرنے والے کسی بھی شخص کے بدن کی اجزاء خواہ کہیں ہوں زمین ہی کے کسی نہ کسی حصے میں موجود رہتے ہیں۔ خود اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿أَلَمۡ نَجۡعَلِ ٱلۡأَرۡضَ كِفَاتًا. أَحۡيَآءً وَأَمۡوَٰتًا﴾

”کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا؟ زندوں کو اور مردوں کو۔“ [2]

حتی کہ جسے کسی گڑھے میں دفن کیا جائے اس کے اجزاء بھی ضروری نہیں کہ وہیں رہیں۔ وہ بھی وہاں سے مختلف جگہوں پر بکھر سکتے ہیں یہ اللہ تعالی کی قدرت ہے کہ وہ ہر میت کی روح کا تعلق اس کے بدن کے ہر جز کے ساتھ کر کے قیامت تک اسے راحت عطا کر دیتا ہے یا عذاب سے دوچار کر دیتا ہے۔ متعدد آیات واحادیث سے یہ عذاب ثابت ہوتا ہے، جسے عذاب قبر کہتے ہیں۔ یہ برحق ہے اور اس کے متعلق تواتر سے احادیث آئی ہیں۔ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں مرنے والوں اور دنیا میں زندہ لوگوں کے درمیان قیامت تک کے لیے پردہ حائل کر دینے کا ذکر فرمایا ہے جس کے نتیجے میں میت دوبارہ زندوں کی طرف واپس نہیں آ سکتی اور نہ زندوں کو اس کے احوال کی خبر ہوتی ہے، نہ میت کو زندوں کے احوال کی خبر ہوتی ہے۔

چنانچہ فرمایا:

﴿حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءَ أَحَدَهُمُ ٱلۡمَوۡتُ قَالَ رَبِّ ٱرۡجِعُونِ. لَعَلِّيٓ أَعۡمَلُ صَٰلِحًا فِيمَا تَرَكۡتُۚ كَلَّآۚ إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَاۖ وَمِن وَرَآئِهِم بَرۡزَخٌ إِلَىٰ يَوۡمِ يُبۡعَثُونَ﴾

”یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے تو کہتا ہے اے میرے رب! مجھے واپس بھیجو۔ تاکہ میں جو کچھ چھوڑ آیا ہوں اس میں کوئی نیک عمل کر لوں۔ ہرگز نہیں، یہ تو ایک بات ہے جسے وہ کہنے والا ہے اور ان کے پیچھے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے، ایک پردہ ہے۔“ [3]

جن لوگوں نے عذاب قبر کا اس لیے انکار کیا ہے کہ وہ دکھائی نہیں دیتا انہیں اپنے ایمان کی تجدید کرنی چاہیے۔ کیونکہ ایمان کی بنیاد ہی یہ ہے کہ آدمی اللہ اور اس کے رسول کی ہر بات پر ایمان لائے اور اس کا یقین رکھے خواہ وہ اسے نظر آئے یا نظر نہ آئے۔ اسے ایمان بالغیب کہتے ہیں اور قرآن مجید سے ہدایت اور سیدھی راہ اسی شخص کو ملتی ہے جو غیب پر ایمان رکھے اللہ تعالی نے فرمایا:

---

[1] سنن ابی داؤد: 3221، صحیح
[2] سورة المرسلات: 25، 26
[3] سورة المؤمنون: 99، 100

﴿الٓمّٓ ۝١ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝٢ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝٣﴾

''الم۔ یہ کتاب، اس میں کوئی شک نہیں، بچنے والوں کے لیے سراسر ہدایت ہے۔ وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز قائم کرتے اور اس میں سے، جو ہم نے انھیں دیا ہے، خرچ کرتے ہیں۔'' [1]

اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمادی ہے کہ تمہارے اور میت کے درمیان ایک پردہ حائل ہے جس کی وجہ سے تم اس پر گزرنے والے احوال نہیں جان سکتے۔ میت پر گزرنے والے احوال نظر آنا تو بہت دور کی بات ہے ہمیں تو اپنے پاس سوئے ہوئے آدمی پر گزرنے والے احوال کا پتہ نہیں ہوتا، بلکہ اندازہ تک نہیں ہوتا کہ وہ کن لذتوں سے لطف اندوز ہورہا ہے یا کن مصیبتوں سے دوچار ہے۔ اور جن لوگوں نے عذاب قبر کا اس لیے انکار کیا ہے کہ اللہ نے انسان کے لیے دو موتیں اور دو زندگیاں طے کر رکھی ہیں۔ اگر قبر میں روح کے لوٹانے کو اور قیامت سے پہلے میت کے لیے عذاب یا راحت کو تسلیم کیا جائے تو قیامت سے پہلے تین موتیں اور تین زندگیاں ماننی پڑیں گی اس لیے عذاب قبر کی بات درست نہیں، تو اس بنا پر عذاب قبر کا انکار درست نہیں۔ کیونکہ ان دو زندگیوں سے مراد وہ کامل زندگیاں ہیں جن کے ساتھ آدمی اپنے بدن کے ساتھ زمین پر چلتا پھرتا ہے۔ اور دو موتوں سے مراد ان زندگیوں کے برعکس کا زمانہ ہے جس میں وہ اپنے بدن کے ساتھ زمین پر چل پھر نہیں سکتا۔

دنیا کی اس زندگی کے دوران روزانہ ایک یا کئی بار اس کی روح قبض کی جاتی ہے اور پھر اسی دن یا دوسرے دن لوٹا دی جاتی ہے فرمایا:

﴿اللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى﴾

''اللہ جانوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور ان کو بھی جو نہیں مریں ان کی نیند میں، پھر اسے روک لیتا ہے جس پر اس نے موت کا فیصلہ کیا اور دوسری کو ایک مقرر وقت تک بھیج دیتا ہے۔'' [2]

لہٰذا زندگی میں بھی آدمی روزانہ موت سے دوچار ہوتا ہے، چنانچہ وہ سوتے وقت پڑھتا ہے:

''اللھم باسمك اموت و أحیا۔''

''اے اللہ تیرے نام کے ساتھ مرتا ہوں اور زندہ ہوں گا۔''

اور بیدار ہونے پر پڑھتا ہے:

''الحمد للہ الذی احیانا بعد ما أماتنا و الیه النشور۔''

''سب حمد اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں موت دینے کے بعد زندہ کردیا اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے۔''

تو جس طرح دنیوی زندگی میں قرآن و حدیث کی تصریح کے مطابق ایک طرح کی نا تمام موت آدمی پر بار بار آتی ہے، جس کے باوجود وہ مرتا نہیں بلکہ اس حالت میں خواب کی صورت میں وہ بے حد خوشی یا بے حد تکلیف بھی محسوس کرتا ہے جس سے پاس بیٹھنے والے بے خبر ہوتے ہیں، اسی طرح مرنے کے بعد قیامت سے پہلے روح کا بدن کی طرف ایک نا تمام لوٹایا جانا قرآن و حدیث کی تصریحات سے ثابت ہے۔ جس سے اسے ایک نا تمام زندگی حاصل ہوتی ہے جسے ہم سمجھ نہیں سکتے۔ اس لیے فرمایا:

---

[1] سورۃ البقرۃ:2،3

[2] سورۃ الزمر:42

﴿بَلۡ اَحۡيَآءٌ وَّلٰكِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ﴾

”بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم سمجھ نہیں سکتے وہ ایسی زندگی ہے۔“ [1]

جس کے باوجود آدمی دنیوی زندگی کے ساتھ زندہ نہیں ہوتا نہ ہی اس کا بدن حرکت کر سکتا ہے البتہ قبر میں رکھے جانے کے بعد روح کے لوٹنے کی وجہ سے وہ جانے والوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ فرشتوں کے سوالوں کا صحیح یا غلط جواب دیتا ہے جس کے نتیجے میں قیامت کے دن تک یا راحت اور نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے یا عذاب سے دو چار ہوتا ہے۔

(جاری ہے)

❋ ❋ ❋

[1] سورۃ البقرۃ:154

دیارِ اسلام میں کفار و مشرکین کی عبادت گاہوں کا حکم

حافظ عبید الرحمن عبد الستار گوندل
obaidurr3hman@gmail.com

بسم الله الرحمن الرحيم، الحمدلله رب العالمين، والصلاة والسلام على إمام الأنبياء والمرسلين نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، ومن سار على نهجه إلى يوم الدين. أما بعد!

اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول دین اسلام ہے۔آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء والمرسلین جناب محمد رسول اللہ ﷺ تک تمام انبیاء ورسل کا دین صرف اسلام تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾

”بے شک دینِ برحق اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔“ [1]

دینِ اسلام کے علاوہ باقی سب ادیان باطل ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مردود ہیں، ان کا ماننے والا کافر ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾

”جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین چاہے گا، تو اس کی طرف سے قبول نہیں کیا جائے گا، اور وہ آخرت میں گھاٹا پانے والوں میں سے ہوگا۔“ [2]

اس کائنات کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور مخلوق بھی اسی کی ہے، پس حکم بھی اسی کا چلے گا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾

”آگاہ رہو کہ سب اسی کی مخلوق ہیں اور اسی کا حکم ہر جگہ نافذ ہے۔“ [3]

اور فرمایا:

﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾

”حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہی چلے گا۔اس نے یہی حکم دیا ہے کہ اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو۔“ [4]

اللہ تعالیٰ نے تمام جن وانس کو اپنی اکیلے کی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔فرمایا:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾

---

[1] سورة آل عمران:19
[2] سورة آل عمران:85
[3] سورة الأعراف:54
[4] سورة يوسف:40

”میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری اکیلے کی عبادت کریں۔“ [1]

پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس سے بغاوت کرتے ہوئے اس کا حکم نہیں مانتا اور دینِ اسلام کو نہیں اپناتا وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے۔ ایسے لوگوں کو سدھارنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو دعوت دینے کا حکم دیا ہے، تاکہ دنیا سے سب سے بڑے ظلم شرک کا خاتمہ ہو، اگر وہ دعوت نہ مانیں تو ان کو ذلیل ہوکر رہنا پڑے گا اور جزیہ دینا ہوگا۔ اور اگر وہ جزیہ دے کر مسلمانوں کے تحت رہنا قبول نہ کریں تو ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ کفر کا خاتمہ ہو اور اللہ تعالیٰ کا دین سربلند ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ﴾

”اور ان کافروں سے لڑو، یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے اور دین سب کا سب اللہ کے لیے ہوجائے۔“ [2]

اور فرمایا:

﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾

”لڑو ان لوگوں سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، اور نہ یوم آخرت پر، اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں، اور نہ دین حق کو اختیار کرتے ہیں، ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں اور وہ حقیر و ذلیل بن کر رہیں۔“ [3]

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دین قائم اور سربلند ہوجائے اور کفر ذلیل وحقیر ہوجائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا﴾

”اللہ تعالیٰ ہی جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا، تاکہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کردے، اور اللہ تعالیٰ گواہی دینے والا کافی ہے۔“ [4]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ، حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ، إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ“

”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک لڑوں جب تک کہ وہ اس بات کا اقرار نہ کرلیں کہ اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں اور نماز ادا کرنے لگیں اور زکوۃ دیں، جس وقت وہ یہ کریں گے تو مجھ سے

---

[1] سورۃ الذاریات: 56

[2] سورۃ الأنفال: 39

[3] سورۃ التوبۃ: 29

[4] سورۃ الفتح: 28

اپنے جان ومال کو محفوظ کرلیں گے، سوائے اسلام کے حق کے۔ اوران کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔" [1]

اور اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو زمین میں اقتدار عطا فرماتا ہے ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات نافذ کریں اور برائیوں کو مٹائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ﴾

"جنھیں ہم انھیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں، زکوۃ ادا کریں، نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔" [2]

پس اہل اسلام کافروں کو اللہ تعالیٰ کے سچے دین اسلام کی دعوت دیں گے، اگر وہ دعوت قبول کرلیں تو وہ ہمارے دینی بھائی بن جائیں گے، اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کا سچا دین اسلام قبول نہ کریں تو ان کو جزیہ دے کر مسلمانوں کے ماتحت رہنا ہوگا، اور مسلمانوں پر ان کے مال وجان کی حفاظت کا ذمہ ہوگا جیسا کہ کتاب وسنت میں اس کی مکمل تفصیلات مذکور ہیں، اور اگر وہ اسلام بھی قبول نہ کریں اور اور نہ جزیہ دینے کو تیار ہوں تو ان سے قتال کیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کے حکم کو نافذ کیا جائے۔

اور یہ سب باتیں وہی شخص مانتا ہے جو ایمان رکھتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، میرا معبود صرف اللہ تعالیٰ ہے، اسی کا حکم مجھے ماننا ہے اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، ان کی ساری تعلیمات سچی ہیں اور مجھے انہیں کی ہی اطاعت کرنی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ہاں مقبول دین اسلام ہے، مجھے اسی کے مطابق اپنی زندگی گزارنی ہے۔

اور جو احکام الٰہی کو پس پشت ڈال کر امم متحدہ کے منشور اور حقوق انساں کے نام پر کفریہ قوانین کا پیروکار رہا اسے اللہ تعالیٰ کے یہ احکامات نہیں بھاتے، اس کی نظر میں حق وباطل برابر ہیں، اور مومن وکافر میں کوئی فرق نہیں، اولیاء اللہ اور اعداء اللہ برابر ہیں۔ باری تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿أَفَمَن كَانَ مُؤْمِنًا كَمَن كَانَ فَاسِقًا ۚ لَّا يَسْتَوُونَ﴾

"بھلا جو شخص مومن ہے کیا وہ فاسق کے برابر ہوگا؟ ہرگز برابر نہیں ہوسکتے۔" [3]

اور فرمایا:

﴿أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَن نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾

"وہ لوگ جنہوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا، انہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم انہیں ان لوگوں کی طرح کردیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے؟ ان کا جینا اور ان کا مرنا برابر ہوگا؟ وہ بہت برا فیصلہ کررہے ہیں۔" [4]

اور فرمایا:

﴿أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ﴾

"کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے، زمین میں فساد کرنے والوں کی طرح کردیں گے؟ یا ہم

---

[1] صحيح البخاري:25، صحيح مسلم:22

[2] سورة الحج:41

[3] سورة السجدة:18

[4] سورة الجاثية:21

پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے؟" [1]

پس مومن و کافر برابر نہیں ہو سکتے، اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور نافرمان برابر نہیں ہو سکتے، موحدین اور مشرکین برابر نہیں ہو سکتے۔ پس مسلمان حاکم کی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نافرمان اور دین اسلام کو قبول نہ کرنے والے لوگوں کو ذلیل وحقیر کر کے ان سے جزیہ وصول کرے۔ اور ان سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تعامل کرے۔

اس تمہید کے بعد یہاں ہم ان مسائل سے ایک مسئلے کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو ان ایام میں خصوصا موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ دیار سلام میں کفار ومشرکین کی عبادت گاہوں کا کیا حکم ہے؟

سب سے پہلے یہ بات جان لیں کہ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کفار ومشرکین کی عبادت گاہوں: کلیسا وکنیسہ، مندر وگردوارہ، آتش کدہ یا کفار کی دیگر عبادت گاہوں میں سے کچھ بھی بنائے کیونکہ اس سے کفر پر تعاون لازم آتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾

"نیکی اور تقوی پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔" [2]

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَأَكْرَهُ لِلْمُسْلِمِ أَنْ يَعْمَلَ بِنَاءً أَوْ نِجَارَةً أَوْ غَيْرَهُ فِي كَنَائِسِهِمْ الَّتِي لِصَلَوَاتِهِمْ"

"میں مسلمان کا کفار کی عبادت گاہوں میں معمار، بڑھئی یا دیگر کام کرنے کو حرام کہتا ہوں۔" [3]

پس مسلمان کا کفار کی عبادت گاہیں بنانے میں کسی قسم تعاون کرنا حرام ہے اور ان کے ساتھ کفر میں تعاون ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مَن اعتقد أنَّ الكنائس بيوت الله، وأنَّ الله يُعبد فيها، أو أنَّ ما يفعله اليهود والنصارى عبادةٌ لله وطاعةٌ لرسوله، أو أنَّه يحب ذلك أو يرضاه، أو أعانهم على فتْحها وإقامة دِينهم، وأنَّ ذلك قُربةٌ أو طاعةٌ فهو كافر"

"جو یہ سمجھتا ہے کہ کفار کی عبادت گاہیں اللہ کے گھر ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے اور یہود ونصاری جو کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے رسول کی اطاعت ہے اور وہ اسے پسند کرتا ہے اور اس پر راضی ہے اور وہ ان کی اس پر اعانت کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ نیکی کا کام ہے پس ایسا شخص کافر ہے۔"

اور آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"من اعتقد أن زيارة أهل الذمة في كنائسهم قربة إلى الله فهو مرتد"

---

[1] سورة ص: 28

[2] سورة المائدة: 2

[3] الأم: 4/226

”جو یہ سمجھتا ہے کہ ذمیوں کا اپنے عبادت خانوں میں جانا تقرب الی اللہ ہے تو وہ شخص مرتد ہے۔“ [1]

دیار اسلام کی اقسام اور کفار ومشرکین کی عبادت گاہوں کا حکم:

دیار اسلام کی تین اقسام ہیں اور ان میں کفار کی عبادت گاہوں کے الگ الگ احکام ہیں۔

پہلی قسم:

وہ علاقے جو مسلمانوں نے آباد کیے، وہاں کفار کے لیے کسی قسم کے معابد تعمیر کرنے کی اجازت نہیں، اور نہ ناقوس وغیرہ بجانے کی اجازت ہے اگر وہ وہاں کوئی عبادت گاہ تعمیر کریں تو اسے گرادیا جائے گا۔ اور نہ وہ ان علاقوں میں اپنی کسی مذہبی شعار کو ظاہر کرسکتے ہیں۔ اس حکم پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

علامہ ابوبکر محمد بن محمد طرطوشی رحمہ اللہ نے اس پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کا انہیں گرانے کا حکم ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”وهذا مذهب علماء المسلمين أجمعين“

”یہ مسلمانوں کے تمام علماء کا اتفاقی مذہب ہے۔“ [2]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ليس لليهود والنصارى أن يحدثوا في مصر مصره المسلمون بيعة ولا كنيسة ولا يضربوا فيه بناقوس إلا فيما كان لهم صلح. وليس أن يظهروا الخمر في أمصار المسلمين“

”جس علاقے کو مسلمانوں نے آباد کیا ہو اس میں یہود ونصاری کوئی عبادت گاہ نہیں بناسکتے اور نہ وہاں ناقوس بجا سکتے ہیں، سوائے ان علاقوں کے جو صلح کے ذریعے فتح ہوئے ہوں۔ اور نہ وہ مسلمانوں کے علاقوں میں سرعام شراب نوشی یا شراب کی خرید وفروخت کرسکتے ہیں۔“ [3]

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ما مصره المسلمون كالبصرة والكوفة وبغداد وواسط، فلا يجوز فيه إحداث كنيسة ولا بيعة ولا مجتمع لصلاتهم“

”وہ شہر جو مسلمانوں نے آباد کیے ہیں جیسے بصرہ، کوفہ، بغداد اور واسط ان میں کفار کوئی کلیسا، گرجا یا اجتماعی عبادت گاہ نہیں بنا سکتے۔“ [4]

علامہ ابوالقاسم رافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”البلاد التي أحدثها المسلمون كبغداد والكوفة والبصرة فلا يمكن أهل الذمة من إحداث بيعة

---

[1] كشاف القناع: باب حكم المرتد

[2] سراج الملوك: 138

[3] أحكام أهل الملل والردة للخلال: 967، ص: 346

[4] المغني: 13/239

و كنيسة و صومعة راهب"

"جو علاقے مسلمانوں نے آباد کیے جیسے بغداد، کوفہ اور بصرہ ان میں ذمیوں کو کوئی گرجا، کلیسا اور راہب کا عبادت خانہ بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔"

اس پر علامہ سبکی نے کہا ہے:

"ذلك مجمع عليه، والله أعلم"

"اس بات پر اجماع ہے۔ واللہ اعلم!" [1]

علامہ قرافی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"الكنائس لا يمكنون من بنائها في بلد بناها المسلمون"

"جن علاقوں کو مسلمانوں نے آباد کیا ان میں نصاری کو کلیسے بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔" [2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَقَدْ اتَّفَقَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى أَنَّ مَا بَنَاهُ الْمُسْلِمُونَ مِنْ الْمَدَائِنِ لَمْ يَكُنْ لِأَهْلِ الذِّمَّةِ أَنْ يُحْدِثُوا فِيهَا كَنِيسَةً"

"اس بات پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ جو شہر مسلمانوں نے بنائے ہیں ان میں ذمیوں کے لیے کنیسہ بنانے کی اجازت نہیں۔" [3]

اگر کوئی کافر ایسے علاقوں میں اپنی عبادت گاہ بنائے گا تو مسلمان حکمران اس کو سزا دے گا۔

عوف بن ابی جمیلہ اعرابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"شَهِدْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُبَيْدِ بْنِ مَعْمَرٍ أُتِيَ بِمَجُوسِيٍّ بَنَى بَيْتَ نَارٍ بِالْبَصْرَةِ فَضَرَبَ عُنُقَهُ"

"میں عبداللہ بن عبید بن معمر رحمہ اللہ کے پاس تھا، ان کے پاس ایک مجوسی کو لایا گیا جس نے بصرہ میں آتش کدہ بنایا تھا تو انہوں نے اس کا سر قلم کر دیا۔" [4]

علامہ سبکی رحمہ اللہ نے اس کی توجیہ بیان کی ہے کہ یہ علاقہ مسلمانوں نے آباد کیا تھا اور یہاں کفار کا عبادت گاہیں بنانا جائز نہیں تھا، بلکہ نقضِ عہد تھا، اس لیے اس کا سر قلم کر دیا گیا۔ [5]

دوسری قسم:

وہ علاقے جو مسلمانوں نے جہاد کر کے بزور بازو فتح کیے اور ان علاقوں کو دیارِ اسلام میں شامل کر لیا۔ اگر مسلمان حاکم ان لوگوں سے انہیں باقی رکھنے پر معاہدہ کر لے تو انہیں باقی رکھا جائے گا لیکن کسی صورت بھی نئی عبادت گاہیں تعمیر کرنے یا پہلے سے موجود عبادت گاہوں میں

---

[1] فتاوى السبكي: 2/405

[2] الذخيرة: 3/458

[3] مجموع الفتاوى: 28/634

[4] مصنف ابن أبي شيبة: 32989

[5] فتاوى السبكي: 2/397

توسیع کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اور نہ ہی شعائر کفر میں سے کسی چیز کے اظہار یا اپنے مذہب کی ترویج کی اجازت ہوگی۔ بلکہ وہ اپنی عبادات چار دیواری کے اندر رہ کر کریں گے۔ اگر مسلمان حاکم ان شروط کے خلاف کوئی معاہدہ کر لے تو وہ باطل اور کالعدم ہوگا۔ اور اگر کوئی معاہدہ نہ ہو تو مسلمان حاکم استیلاء وقبضہ کے بعد چاہے تو انہیں گرا سکتا ہے اور چاہے تو مصلحت کی بنا پر کچھ دیر تاخیر بھی کر سکتا ہے۔

عمرو بن میمون بن مہران رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”كَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَنْ: يُمْنَعَ النَّصَارَى بِالشَّامِ أَنْ يَضْرِبُوا نَاقُوسًا قَالَ: وَيُنْهَوْا أَنْ يَفْرُقُوا رُءُوسَهُمْ، وَيَجُزُّوا نَوَاصِيَهُمْ، وَيَشُدُّوا مَنَاطِقَهُمْ، وَلَا يَرْكَبُوا عَلَى سَرْجٍ، وَلَا يَلْبَسُوا عَصَبًا، وَلَا يَرْفَعُوا صُلُبَهُمْ فَوْقَ كَنَائِسِهِمْ، فَإِنْ قَدَرُوا عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ فَعَلَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا بَعْدَ التَّقَدُّمِ إِلَيْهِ فَإِنَّ سَلَبَهُ لِمَنْ وَجَدَهُ قَالَ: وَكَتَبَ أَنْ يُمْنَعَ نِسَاؤُهُمْ أَنْ يَرْكَبْنَ الرَّحَائِلَ. قَالَ عَمْرُو بْنُ مَيْمُونٍ: وَاسْتَشَارَنِي عُمَرُ فِي هَدْمِ كَنَائِسِهِمْ، فَقُلْتُ: لَا تُهْدَمُ، هَذَا مَا صُولِحُوا عَلَيْهِ فَتَرَكَهَا عُمَرُ“

”عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے اپنے عمّال کو لکھا کہ نصاری کو شام کے علاقے میں ناقوس بجانے سے منع کر دو، اور ان کو سر کی مانگ نکالنے سے منع کرو، وہ اپنی پیشانی کے بال کم کریں، اپنی پٹیاں مضبوطی سے باندھیں، زین پر سوار نہ ہوں، عمامہ نہ پہنیں، اور اپنے معابد پر صلیب نہ لگائیں۔ اگر ان میں سے کسی نے اس کے بعد ایسا کیا تو اس پر گرفت کرنے والا اس کے سامان کا حقدار ہوگا۔ اور فرمایا ان کی عورتوں کو کجاووں میں سوار ہونے سے منع کیا جائے۔ عمرو بن میمون رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے مجھ سے ان کے کلیسوں کے متعلق مشورہ کیا، تو میں نے کہا ان کو ہدم نہ کیا جائے کیونکہ اس پر ان سے صلح ہو چکی ہے۔ پس آپ نے ان کو ترک کر دیا۔“ [1]

امام شافعی رحمہ اللہ ذمیوں کے احکامات ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”أَنْ لَا يُحْدِثُوا فِي مِصْرٍ مِنْ أَمْصَارِ الْمُسْلِمِينَ كَنِيسَةً وَلَا مُجْتَمَعًا لِضَلَالَاتِهِمْ وَلَا صَوْتَ نَاقُوسٍ“

”کہ وہ مسلمانوں کے کسی علاقے میں نیا کلیسہ یا اپنی گمراہیوں کے لیے اجتماع گاہ نہیں بنائیں گے اور نہ ناقوس بجائیں گے۔“ [2]

علامہ ماوردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”لا يجوز أن يحدثوا في دار الإسلام بيعة ولا كنيسة، فإن أحدثوها هدمت عليهم، ويجوز أن يبنوا ما استهدم من بيعهم وكنائسهم العتيقة“

”دار الاسلام میں ان کے لیے نیا کلیسا یا کنیسا بنانا جائز نہیں، اگر وہ بنائیں تو اسے منہدم کر دیا جائے گا، اور پرانے کلیسے یا کنیسے کو کسی جگہ سے منہدم ہو جانے پر ٹھیک کر سکتے ہیں (البتہ اس کی توسیع وتزیین نہیں کر سکتے)۔“ [3]

---

[1] مصنف عبد الرزاق: 10004، 19235

[2] الأم: 4/218

[3] الأحكام السلطانية للماوردي: 226

قاضی ابو یعلی ابن فراء فرماتے ہیں:

”لا يجوز أن يحدثوا في دار الإسلام بيعة ولا كنيسة، فإن أحدثوها هدمت عليهم“

”دار الاسلام میں ان کے لیے نیا کلیسا یا کنیسا بنانا جائز نہیں، اگر وہ بنائیں تو اسے منہدم کر دیا جائے گا۔“ [1]

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ما فتحه المسلمون عنوة فلا يجوز إحداث شيء من ذلك فيه لأنها صارت ملكا للمسلمين“

”جس علاقے کو مسلمانوں نے بزور بازو فتح کیا ہے اس میں کسی قسم کے معابد تعمیر کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ مسلمانوں کی ملکیت بن چکا ہے۔“ [2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فما فتحه المسلمون عنوةً فقد ملّكهم الله إياه .... وليس لمعابد الكفار خاصّةٌ تقتضي خروجها عن ملك المسلمين“

”پس جو علاقے مسلمان بزور بازو فتح کریں اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کا مالک بنا دیا ہے .... اور کفار کی عبادت گاہوں کا مسلمانوں کی ملکیت سے مستثنیٰ ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔“ [3]

جیسا کہ غزوہ بنی قریظہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ﴾

”تمھیں ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا وارث بنا دیا۔“ [4]

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”أَمَّا مَا أُحْدِثَ بَعْدَ ذَلِكَ فَإِنَّهُ يجب إِزَالَتُهُ، وَلَا يُمَكَّنُونَ مِنْ إِحْدَاثِ الْبِيَعِ وَالْكَنَائِسِ كَمَا شَرَطَ عَلَيْهِمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي الشُّرُوطِ الْمَشْهُورَةِ عَنْهُ“

”جو عبادت گاہیں مسلمانوں کے فتح کرنے کے بعد بنائی جائیں گی ان کو ختم کرنا واجب ہے۔ اور کفار کو کلیسے اور کنیسے بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے مشہور شروط مقرر کیں۔“ [5]

اور آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں

”وَشُهْرَةُ هَذِهِ الشُّرُوطِ تُغْنِي عَنْ إِسْنَادِهَا، فَإِنَّ الْأَئِمَّةَ تَلَقَّوْهَا بِالْقَبُولِ وَذَكَرُوهَا فِي كُتُبِهِمْ وَاحْتَجُّوا بِهَا، وَلَمْ يَزَلْ ذِكْرُ الشُّرُوطِ الْعُمَرِيَّةِ عَلَى أَلْسِنَتِهِمْ وَفِي كُتُبِهِمْ، وَقَدْ أَنْفَذَهَا بَعْدَهُ الْخُلَفَاءُ وَعَمِلُوا

---

[1] الأحكام السلطانية لأبي يعلى: 161

[2] المغني: 13/240

[3] مسألة في الكنائس: 142

[4] سورة الأحزاب: 27

[5] أحكام أهل الذمة: 3/1193

بِمُوجَبِهَا“

”یہ شروط اتنی مشہور ہیں کہ ان کی سند کی بھی ضرورت نہیں، کیونکہ امت نے ان کو تلقی بالقبول کیا ہے، ان کو اپنی کتب میں لکھا ہے اور ان سے حجت پکڑی ہے، اور آپ ﷺ کے بعد خلفاء نے انہیں پر عمل کیا ہے۔“ [1]

تیسری قسم:

وہ علاقے جنہیں مسلمان بغیر لڑے صلح کے ساتھ فتح کر لیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں؛ پہلی یہ کہ وہ علاقہ دیار اسلام میں شامل کر لیا جائے اور وہ مسلمانوں کی حکومت میں آجائے۔ اس میں کفار کی پرانی عبادت گاہیں معاہدے کے مطابق باقی رہیں گی اور نئی عبادت گاہیں بنانے کی اجازت نہیں ہوگی کیونکہ یہ علاقہ اب مسلمانوں کی ملکیت ہو چکا ہے اور کفار اس میں ذمیوں کی طرح شروط وضوابط سے رہیں گے۔

جیسا کہ اوپر قتال کر کے ان علاقوں کو دیار اسلام میں شامل کیے جانے کے بعد نئی عبادت گاہیں بنانے کی ممانعت پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا گیا ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ خراج کے مقابل صلح ہو جائے اور وہ علاقہ کفار کی نگرانی میں ہی رہے گا۔ تو اس میں ان کا نئی عبادت گاہیں بنانا جائز ہے جب تک کہ وہ علاقہ ان کی ملکیت میں رہے۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ یہ قسم ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”أَنْ يُصالحهم على أَنَّ الأَرْضَ لهم، ولنا الخراج عنها، فلهم إحداثُ ما يختارون فيها؛ لأَنَّ الدارَ لهم“

”ان سے اس بات پر صلح ہو کہ زمین انہی کی ہے اور وہ ہمیں اس کا خراج دیں گے، تو ایسی صورت میں وہ اس میں جو چاہیں بنا سکتے ہیں کیونکہ زمین ان کی ہے۔“ [2]

<u>**اگر حاکم صلح کے وقت کفار سے نئی عبادت گاہیں بنانے کی اجازت پر معاہدہ کرلے تو اس کا یہ عقد باطل ہوگا۔**</u>

علامہ سبکی علامہ رویانی سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

”وَلَوْ صَالحهُمْ عَلَى التَّمْكِينِ مِنْ إِحْدَاثِهَا فَالْعَقْدُ بَاطِلٌ“

”اگر وہ ان سے نئی عبادت گاہیں بنانے کی اجازت پر صلح کرلے تو یہ عقد باطل ہوگا۔“ [3]

کیونکہ: ”مَا كَانَ مِنْ شرطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ بَاطِلٌ، وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شرطٍ“

”جو شرط کتاب اللہ میں میں نہیں وہ باطل ہے اگرچہ سو شرطیں ہی کیوں نہ ہوں۔“

اور اس لیے بھی کہ کفار کے نئی عبادت گاہیں بنانے کی ممانعت پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، اور اجماع کی مخالفت حرام ہے۔

پس جو ممالک عالمی کفریہ قوانین کی پاسداری کرتے ہوئے ایسے معاہدے کرتے ہیں وہ سب باطل اور دین اسلام کے خلاف ہیں، ایسے معاہدوں کی عنداللہ کوئی حیثیت نہیں، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور دنیاوی مفادات کی بجائے دینی مفاد کو مقدم رکھ کر اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا!

---

[1] أحكام أهل الذمة: 3/1164

[2] المغني: 13/240

[3] فتاوى السكبي: 405/2

ایک شبہہ اور اس کا رد:

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جس طرح کفار اپنے ملکوں میں ہمیں مساجد بنانے کی اجازت دیتے ہیں ہمیں بھی ان کو اجازت دینی چاہیے، اور بعض لوگ کہتے کہ اگر ہم ان کو دیارِ اسلام میں ان کی عبادت گاہیں بنانے سے منع کریں گے تو اپنے علاقوں میں ہمیں منع کردیں گے۔

کفار اگر مسلمانوں کو اپنے علاقوں میں مساجد بنانے کی اجازت دیتے ہیں تو یہ مسلمانوں کا حق ہے کیونکہ ساری زمین اللہ تعالیٰ کی ہے اور اللہ تعالیٰ کے گھر کسی جگہ بھی تعمیر کیے جاسکتے ہیں۔ اور ہمارا بلادِ اسلامیہ میں ان کو منع کرنا حق ہے کیونکہ جہاں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے حکومت عطا کی ہے ان کا فرض ہے کہ وہ اس برے کام کو روکیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ﴾

"جنہیں ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں، زکوۃ ادا کریں، نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔" [1]

اور دوسری بات کہ اگر ہم انہیں منع کریں گے تو وہ بھی ہمیں مساجد بنانے سے منع کریں گے۔ تو جواب یہ ہے کہ بلادِ اسلام کو شرک سے پاک رکھنا اور مسلمانوں کو شرک کے مواقع سے دور کرنا سب سے پہلا کام ہے، دوسرے نمبر پر بلادِ کفر میں دعوت کا کام ہے، اگر بلادِ کفر میں مساجد بنانے کے لیے بلادِ اسلامیہ میں کفر کے معابد تعمیر کرنے پڑیں تو اصل کو نفع پر مقدم کرکے بلادِ اسلامیہ کو شرک سے پاک رکھا جائے گا اگرچہ اس کی وجہ سے کفار اپنے علاقوں میں مساجد بنانے سے منع کردیں۔

اگر مسلمان کو کسی علاقے میں اپنے ایمان کا خطرہ ہو اور دین پر عمل کرنے میں رکاوٹ اور مشکل ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ہجرت مشروع فرمائی ہے۔ اور جس کو اپنا ایمان عزیز ہو، وہ گھر بار، مال ودولت اور رشتہ داروں کو چھوڑنے کی پرواہ نہیں کرتا بلکہ اپنے ایمان کو ان سب چیزوں پر ترجیح دیتا ہے۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فإن قال قائل: إذا كانوا لا يمنعوننا من إحداث المساجد في بلادهم، فهل لنا أن نمنعهم من إحداث الكنائس في بلادنا؟"

الجواب: "نعم، وليس هذا من باب المكافأة أو المماثلة؛ لأن الكنائس دور الكفر والشرك، والمساجد دور الإيمان والإخلاص، فنحن إذا بنينا المسجد في أرض الله فقد بنيناه بحق، فالأرض لله، والمساجد لله، والعبادة التي تقام فيها كلها إخلاص لله، واتباع لرسوله صلى الله عليه وسلّم، بخلاف الكنائس والبيع."

ومن سفه بعض الناس أنه يقول: لماذا لا نمكنهم من بناء الكنائس في بلادنا كما يمكنوننا من بناء المساجد في بلادهم؟

الجواب: "نقول: هذا من السفه، ليست المسألة من باب المكافأة، إذ ليست مسائل دنيوية، فهي مسائل دينية، فالكنائس بيوت الكفر والشرك، والمساجد بيوت الإيمان والإخلاص فبينهما فرق،

[1] سورة الحج: 41

والأرض لله، فنحن إذا بنينا مسجداً في أي مكان من الأرض فقد بنينا بيوت الله في أرض الله بخلافهم“

”اگر کوئی یہ کہے کہ وہ ہمیں اپنے ملکوں میں مساجد بنانے سے منع نہیں کرتے تو کیا ہمیں ان کو اپنے ملکوں میں کنیسے بنانے سے منع کرنا چاہیے؟

جواب: ہاں منع کرنا چاہیے، اور اس میں مکافات یا مماثلت نہیں کیونکہ گرجے کفر وشرک کی جگہیں ہیں اور مساجد ایمان واخلاص کہ جگہیں ہیں۔ پس اگر ہم اللہ تعالیٰ کی زمین میں مسجد بنائیں تو ہم حق کے ساتھ بنائیں گے، زمین بھی اللہ تعالیٰ کی ہے اور مساجد بھی اللہ تعالیٰ کی، اور جو عبادت کہ جاتی ہے وہ بھی خالصتا اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع میں ہے۔ جبکہ گرجوں اور کلیسوں میں اس کے الٹ ہے۔

اور بعض احمق لوگ کہتے ہیں کیوں ہم ان کو اپنے ملکوں میں گرجے نہیں بنانے دیتے جیسے وہ ہمیں اپنے ملکوں میں مساجد بنانے دیتے ہیں؟

تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں یہ حماقت والی بات ہے، بات بدلے کی نہیں، یہ کوئی دنیوی مسئلہ نہیں بلکہ دینی مسئلہ ہے۔ گرجے کفر وشرک کے گھر ہیں اور مساجد ایمان واخلاص کے گھر ہیں، پس دونوں کے درمیان فرق ہے۔ اور زمین تو اللہ تعالیٰ کی ہے، اگر ہم زمین میں کسی جگہ پر بھی مسجد بنائیں تو اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کا ہی گھر بنائیں گے، بخلاف ان لوگوں کے۔“ [1]

والحمدلله رب العالمين وصلى الله وسلم بارك على نبينا محمد وعلى آله وصحبه ومن سار على نهجه إلى يوم الدين۔

[1] الشرح الممتع: 8/77

ماہِ ذوالحجہ: فضائل ومسائل

عادل عبدالرحمن

aarahman101@gmail.com

الحمدلله رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسوله الأمین ﷺ وبعد!

بے شک! اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی تمام دنوں، راتوں اور مہینوں کا خالق ہے۔اس نے اپنی کامل حکمت سے،مومنوں پر خاص رحمت و شفقت کرتے ہوئے دنوں، راتوں اور مہینوں میں سے بعض کو بعض پر غیر معمولی فضیلت عطا فرمائی ہے تا کہ ایک مسلمان انہیں غنیمت جانتے ہوئے اس کا قرب حاصل کرنے کی بھرپور جدوجہد کرے۔

ذوالحجہ اسلامی سال کا بارہواں اور آخری قمری مہینہ اور اسلامی تاریخ میں ممتاز اہمیت کا حامل ہے۔چوں کہ اسی ماہِ مبارک میں، حج جیسا عظیم الشان فریضہ سرانجام دیا جاتا ہے،اس لیے اس مہینہ کا نام بھی حج ہی کی مناسبت سے مشہور ومعروف ہے۔

ماہِ ذوالحجہ کے فضائل:

ماہِ ذوالحجہ،ان چار مقدس ومحترم مہینوں میں سے ایک ہے جن میں ہر قسم کا قتل وقتال، جنگ وجدل اور لڑائی جھگڑا ماسوا دفاعی جہاد کے، ممنوع وحرام ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾

’’جس دن سے اس (اللہ) نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے،اسی دن سے اللہ کے ہاں، اللہ کی کتاب میں،مہینوں کی تعداد بارہ ہے،جن میں سے چار حُرمت والے (مہینے) ہیں۔‘‘ [1]

جناب ابوبکرۃ الثقفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلَاثَةٌ مُتَوَالِيَاتٌ ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ.“

’’سال بارہ مہینوں کا ہے۔اس میں چار مہینے حُرمت والے (مہینے) ہیں۔تین (مہینے) ذوالقعدۃ، ذوالحجۃ اور محرم تولگا تار ہیں اور ایک رجب ہے۔‘‘

نیز فرمایا:

”إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ (وَأَعْرَاضَكُمْ) عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا.“

[1] سورۃالتوبۃ:٣٦

’’تمہارے خون، تمہارے اموال اور (تمہاری عزتیں) تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارا یہ دن، تمہارے اس شہر میں، (اور) تمہارے اس مہینہ میں حرمت کا باعث ہے۔‘‘ [1]

ماہِ ذوالحجہ کے خصائص میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسی مہینہ میں، دنیا بھر سے تمام مسلمان فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے بیت اللہ کا رُخ کرتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ﴾

’’حج کے چند (ہی) مہینے ہیں جو (مقرر) معلوم ہیں۔‘‘ [2]

یعنی عمرہ تو سال میں کسی بھی وقت اور مہینہ میں کیا جا سکتا ہے لیکن حج صرف چند مخصوص دنوں میں ہی کیا جائے گا۔

فائدة:

جناب نافع المدنی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

’’أَشْهُرُ الحجّ: شَوَّالٌ، وَذُو القَعْدَةِ، وَعَشْرٌ مِنْ ذِي الحجَّةِ.‘‘

’’حج کے مہینے، (جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کتاب میں ذکر کیا ہے) وہ شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ (کے پہلے) دس دن ہیں۔‘‘ [3]

عشرہ ذوالحجہ کے فضائل واعمال:

عشرہ ذوالحجہ سے مراد، ذوالحجہ کے ابتدائی دَس دن ہیں جن میں دَسواں دن یومِ نَحر یعنی قربانی کا دن ہے۔ کتاب وسُنت کی رُو سے ان دنوں میں کیے گئے نیک اعمال، باقی ایّام کی عبادات سے افضل وبرتر ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾

’’اور قسم ہے وقتِ فجر کی اور (قسم ہے) دَس راتوں کی۔‘‘ [4]

فوائد:

① وَالْفَجْرِ

شیخ محمد عبدہ الفلاح رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

صبح سے مراد ہر صبح ہے یا خاص یکم محرم کی صبح کیوں کہ اس سے سال کی ابتدا ہوتی ہے یا یکم ذی الحجہ کی صبح کیوں کہ اس سے ان دس راتوں

[1] صحيح البخاري: ٤٤٠٦ ـ صحيح مسلم: ١٦٧٩
[2] سورة التوبة: ٣٦
[3] صحيح البخاري (تعليقًا)، قبل الحديث: ١٥٦٠ ـ المستدرك على الصحيحين، بتحقيق مصطفى عبدالقادر عطا: ٣٠٩٢ وسنده صحيح
[4] سورة والفجر: ١،٢

کی ابتدا ہوتی ہے جن کا ذکر بعد کی آیت میں آرہا ہے۔ [1]

② وَلَيَالٍ عَشْرٍ

جناب زُرارۃ الحَرَشی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"إِنَّ اللَّيَالِي الْعَشْرَ الَّتِي أَقْسَمَ اللهُ بِهَا، هِيَ لَيَالِي الْعَشْرِ الْأُوَلِ مِنْ ذِي الحجَّة."

"وہ دس راتیں، جن کے ساتھ اللہ نے قسم اٹھائی ہے ان سے مراد ذوالحجہ کا پہلا عشرہ ہے۔" [2]

جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَا مِنْ أَيَّامٍ، الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيهَا أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنْ هَذِهِ الْأَيَّامِ يَعْنِي: أَيَّامَ الْعَشْرِ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَلَا الجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ؟ قَالَ: وَلَا الجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ، فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذَلِكَ بِشَيْءٍ."

"اللہ تعالیٰ کو، کسی دن کا کوئی نیک عمل، اس قدر پسندیدہ نہیں ہے جتنا کہ ان دنوں میں پسندیدہ اور محبوب ہے۔ یعنی ذوالحجہ کے پہلے عشرہ میں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں ماسوا اس شخص کے جو اپنی جان و مال لے کر نکلا ہو اور پھر کچھ واپس نہ لایا ہو۔" [3]

جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَا مِنْ أَيَّامٍ أَعْظَمَ عِنْدَ اللهِ وَلَا الْعَمَلُ فِيهِنَّ أَحَبّ إِلَى اللهِ مِنْ هَذِهِ الأَيَّامِ فَأَكْثِرُوا فِيهَا مِنَ التَّهْلِيلِ وَالتَّحْمِيدِ، يَعْنِي أَيَّامَ الْعَشْرِ."

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک (عشرہ ذوالحجہ کے) یہ دن اور ان میں کیے جانے والے نیک اعمال جس قدر محبوب ہیں، کسی اور دن نہیں۔ لہٰذا تم کثرت سے ان میں تہلیل (لا الٰہ الا اللہ) اور تحمید (الحمد للہ) کیا کرو۔" [4]

ذوالحجہ کے پہلے نو دنوں کے روزے رکھنا، مسنون اور مستحب عمل ہے۔

بعض امہات المومنین رضی اللہ عنہن بیان کرتی ہیں:

"انَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَصُومُ تِسعَ ذِي الحِجَّةِ وَيَوْمَ عَاشُورَاءَ وَثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ أَوَّلَ اثْنَيْنِ مِنَ الشَّهْرِ وَالخمِيسَ."

"رسول اللہ ﷺ ذوالحجہ کے (پہلے) نو دن، عاشورہ محرم، ہر مہینے میں تین دن اور ہر مہینے کے پہلے سوموار اور جمعرات کو روزہ رکھا کرتے تھے۔" [5]

---

[1] تفسير اشرف الحواشي للفلاح، سورة والفجر، تحت الآية: ١

[2] جامع البيان عن تأويل أي القرآن للطبري، سورة والفجر، تحت الآية: ٢ وسنده صحيح

[3] سنن أبي داؤد: ٢٤٣٨ وسنده صحيح۔ صحيح البخاري: ٩٦٩

[4] مسند أبي عوانة، بتحقيق أيمن الدمشقي: ٣٠٢٤ وسنده حسن لذاته

[5] سنن أبي داؤد: ٢٤٣٧۔ سنن النسائي: ٢٣٧٤ وسنده صحيح

ذوالحجہ کی نو تاریخ کو یومِ عرفہ کہا جاتا ہے کیوں کہ اس دن حجاج کرام میدانِ عرفات میں جمع ہوتے ہیں۔ یہ وہی دن ہے جس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس دین کی تکمیل اور اہلِ اسلام پر اپنی نعمت کو پورا فرمایا۔

سیدنا طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا:

"يا أَميرَ المؤْمنينَ، آيَةٌ في كِتابِكُم تَقرَءونَها، لَوْ عَلَينا مَعشَرَ اليَهودِ نَزَلَتْ، لاتَّخَذْنا ذلِكَ اليَوْمَ عِيدًا. قالَ: أَيُّ آيَةٍ؟ قالَ: اَليَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وأَتمَمتُ عَلَيكُمْ نِعْمَتي ورَضيتُ لَكُمُ الإِسْلامَ دِينًا. قالَ عُمَرُ: قَدْ عَرَفْنا ذلِكَ اليَوْمَ، والمَكانَ الَّذي نَزَلَتْ فيهِ علَى النَّبيِّ ﷺ وهُوَ قائِمٌ بعَرَفَةَ يَوْمَ جُمعَةٍ."

''اے امیر المومنین! تمھاری کتاب (قرآن) میں ایک ایسی آیت ہے جسے تم پڑھتے رہتے ہو، اگر وہ آیت ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید کا دن ٹھہرا لیتے۔ سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ کون سی آیت ہے؟ یہودی بولا یہ آیت: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور دین اسلام کو تمہارے لیے پسند کر لیا۔ سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم اس دن اور اس مقام کو جانتے ہیں جس میں یہ آیت نبی ﷺ پر نازل ہوئی۔ یہ آیت جمعہ کے دن اتری جب آپ ﷺ عرفات میں کھڑے تھے۔'' [1]

جناب عمار بن أبی عمار المکی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

"قَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ وَعِنْدَهُ يَهُودِيٌّ فَقَالَ لَوْ أُنْزِلَتْ هَذِهِ عَلَيْنَا لَاتَّخَذْنَا يَوْمَهَا عِيدًا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَإِنَّهَا نَزَلَتْ فِي يَوْمِ عِيدٍ فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ وَيَوْمِ عَرَفَةَ."

''سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ پڑھی۔ آپ کے پاس ایک یہودی بیٹھا تھا۔ اس نے کہا: اگر یہ آیت ہم (یہودیوں) پر نازل ہوئی ہوتی تو جس دن یہ آیت نازل ہوئی ہے اس دن کو ہم عید (تہوار) کا دن بنا لیتے۔ یہ سن کر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: (تُو ایک عید کی بات کرتا ہے) یہ آیت تو دو عیدوں، جمعہ اور عرفہ کے دن نازل ہوئی ہے۔'' [2]

فائدۃ:

ہفتہ کے دنوں میں، جمعہ کو نبی کریم ﷺ نے عید کا دن قرار دیا ہے [3] جب کہ یومِ عرفہ کو عید قرار دینے کی درج ذیل دو وجوہات ہوسکتی ہیں:

① یومِ نحر سے متصل ہونے کی وجہ سے۔

② چوں کہ عرفہ کے دن، حج کا اہم ترین رکن، وقوفِ عرفہ ادا کیا جاتا ہے اس لیے اسے بھی عید کا دن قرار دیا گیا۔ واللہ أعلم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ﴾

[1] صحيح البخاري: ٤٥ - صحيح مسلم: ٣٠١٧

[2] سنن الترمذي: ٣٠٤٤ - مسند أبي داود الطيالسي، بتحقيق محمد بن عبد المحسن التركي: ٢٨٣٢ وسنده صحيح

[3] سنن ابن ماجه: ١٠٩٨ وسنده حسن لذاته

”اور قسم ہے شاہد ومشہود کی۔“ [1]

فائدۃ:

جناب عمار بن أبي عمار المکی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا أبو ہریرۃ الدوسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”الشَّاهِدُ يَومُ الجمُعَةِ والمشهودُ يَومُ عَرَفَةَ.“

”شاہد سے مراد، جمعہ کا دن اور مشہود سے مراد، یوم عرفہ ہے۔“ [2]

سیدۃ عائشۃ الصدیقۃ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مَا مِنْ يَوْمٍ أَكْثَرَ مِنْ أَنْ يُعْتِقَ اللهُ فِيهِ عَبْدًا مِنَ النَّارِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ.“

”اللہ، یومِ عرفہ سے زیادہ اور کسی دن بندوں کو آگ (جہنم) سے آزاد نہیں کرتا۔“ [3]

جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عرفہ کے دن، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواری پر ایک شخص جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا تھا، عورتوں کو دیکھنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”إِبْنَ أَخِي! إِنَّ هَذَا يَوْمٌ مَنْ مَلَكَ فِيهِ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ وَلِسَانَهُ غُفِرَ لَهُ.“

”بھتیجے! بے شک آج کے دن جو شخص اپنے کان، آنکھ اور زبان پر قابو رکھے گا، اس کی مغفرت کردی جائے گی۔“ [4]

جناب أبو قتادۃ الانصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ وَالسَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ.“

”میں اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ عرفہ کے دن کا روزہ، ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا (یعنی انہیں مٹا دے گا)۔“ [5]

فوائد:

① یومِ عرفہ کا روزہ، صرف ان حضرات کے لیے مشروع ہے جو حج میں شامل نہیں ہیں۔ حجاج کرام کے لیے، اس دن روزہ نہ رکھنا ہی سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ [6]

② راجح مؤقف کے مطابق، عرفہ کا روزہ، اپنی رویئت کے مطابق قمری تاریخ کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے رکھنا چاہیے خواہ اس وقت سعودیہ میں یومِ عرفہ ہو یا نہ ہو۔ [7]

ذوالحجہ کا دسواں دن، یومِ نحر کہلاتا ہے۔ اس دن مسلمان اللہ سبحانہ وتعالی کی خوشنودی اور رضا کے لیے قربانی کے جانور ذبح کرتے ہیں۔

---

[1] سورۃ البروج: ۳

[2] جامع البیان عن تأویل أي القرآن للطبري، سورۃ البروج، تحت الآیۃ: ۳ وسندہ صحیح

[3] صحیح مسلم: ۱۳۴۸۔ سنن ابن ماجہ: ۳۰۱۴ وسندہ صحیح

[4] مسند الإمام أحمد بن حنبل، بتحقیق أحمد محمد شاکر: ۳۰۴۲۔ صحیح ابن خزیمۃ، بتحقیق ماہر یاسین الفَحل: ۲۸۳۲ وسندہ حسن لذاتہ

[5] صحیح مسلم: ۱۱۶۲۔ سنن الترمذي: ۷۴۹ وسندہ صحیح«

[6] صحیح البخاري: ۱۶۶۱۔ صحیح مسلم: ۱۱۲۳

[7] فتاوی اصحاب الحدیث للشیخ عبد الستار الحماد: ۱/۲۲۱، ۲۲۰۔ احکام ومسائل للشیخ عبد المنان النورفوري: ۲/۴۱۹، ۴۱۸

ذوالحجہ کے گیارہویں دن، حجاج کرام کے منیٰ میں قیام کرنے کی وجہ سے اس دن کو یوم قَرّ کہتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ﴾

''اور جفت کی قسم اور طاق کی قسم۔'' [1]

فائدہ:

جناب زُرارۃ الحَرَشی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

﴿الشَّفْعُ يَوْمُ النَّحْرِ وَالْوَتْرُ يَوْمُ عَرَفَةَ﴾

''الشفع سے مراد یوم نَحر اور الوتر سے مراد یومِ عرفہ ہے۔'' [2]

جناب عبداللہ بن قُرط رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''إِنَّ أَعْظَمَ الْأَيَّامِ عِنْدَ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَوْمُ النَّحْرِ ثُمَّ يَوْمُ الْقَرِّ.''

''بے شک! اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک سب سے عظمت والا دن، یوم نَحر (یعنی دس ذوالحجہ)، (اور) اس کے بعد یوم قَرّ (یعنی گیارہ ذوالحجہ) ہے۔'' [3]

فائدہ:

حافظ ابن قیم الجوزیۃ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''أَنَّ يَوْمَ الجمْعَةَ أَفْضَل أَيَّامِ الْأُسْبُوعِ وَيَوْمِ النَّحرِ أَفْضَل أَيَّامِ الْعَامِ فَيَوْمُ النَّحرِ مُفَضَّل عَلَى الْأَيَّامِ كُلِّهَا الَّتِي فِيهَا الجمْعَة وَغَيْرِهَا.''

''ہفتہ کے تمام دنوں میں، جمعہ کا دن اور سال کے تمام دنوں میں، یوم نحر افضل ہے۔ پس یومِ نحر، سال کے تمام دنوں میں افضل ہے جن میں جمعہ اور دیگر ایام بھی آ جاتے ہیں۔'' [4]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ﴾

''اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حجِ اکبر کے دن تمام لوگوں کی طرف صاف اعلان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں سے بریٔ الذمہ ہیں۔'' [5]

---

[1] سورة الفجر: ٣

[2] جامع البيان عن تأويل أي القرآن للطبري، سورة والفجر، تحت الآية: ٣ وسنده صحيح

[3] سنن أبي داؤد: ١٧٦٥ ـ المستدرك على الصحيحين، بتحقيق مصطفى عبد القادر عطا: ٧٥٢٢ وسنده صحيح

[4] عون المعبود مع شرح الحافظ ابن القيم، بتحقيق عبد الرحمن محمد عثمان: ١٨٦/٥

[5] سورة التوبة: ٣

فائدۃ:

جناب علی بن أبي الطالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ يَوْمِ الحَجِّ الأَكْبَرِ فَقَالَ يَوْمُ النَّحْرِ.“

”میں نے رسول اللہ ﷺ سے حجِ اکبر کے بارے میں پوچھا کہ یہ کون سا دن ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یومِ نحر (یعنی قربانی کا دن)۔“ [1]

عوام الناس میں مشہور یہ بات کہ ”جمعہ کے دن کا حج، حجِ اکبر ہے“، حدیثِ رسول ﷺ کی روشنی میں صراحتاً غلط اور باطل ہے۔

ذوالحجہ کی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں تاریخ کو ایّامِ تشریق یا ایّامِ معدودات کہا جاتا ہے۔ یہ دن کھانے، پینے اور ذکر واذکار کے لیے مخصوص ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْ أَيَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ﴾

”اور گنتی کے ان چند دنوں میں اللہ کو خوب یاد کرو۔“ [2]

فائدۃ:

سعید بن جبیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْ أَيَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ﴾ کے بارے میں فرمایا: ”أَيَّامُ التَّشْرِيقِ“ یعنی (ان ایام سے مراد) ایامِ تشریق ہیں۔ [3]

جناب نُبيشة الهذلي رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”أَيَّامُ التَّشْرِيقِ أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللّٰهِ.“

”تشریق کے دن کھانے، پینے اور اللہ کے ذکر کے دن ہیں۔“ [4]

جناب عقبة بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”يَوْمُ عَرَفَةَ، وَيَوْمُ النَّحْرِ، وَأَيَّامُ التَّشْرِيقِ: عِيدُنَا أَهْلَ الإِسْلَامِ وَهِيَ أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ.“

”یومِ عرفہ (نو ذوالحجہ)، یومِ نحر (دس ذوالحجہ یعنی قربانی کا دن) اور ایامِ تشریق (گیارہ، بارہ اور تیرہ ذوالحجہ) ہم اہل اسلام کے عید اور کھانے پینے کے دن ہیں۔“ [5]

ذوالحجہ کے ان ایام میں تکبیر، تہلیل وتحمید کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے۔ تکبیرات کے آغاز اور اختتام کے سلسلہ میں نبی کریم ﷺ سے تو کچھ ثابت نہیں ہے تاہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے بعض آثار میں اس کی تفصیل موجود ہے جن پر عمل کرنا اقتداء بالسلف کی رو سے

[1] سنن الترمذي: ٩٥٧ وسنده صحيح۔ صحيح مسلم: ١٣٤٧

[2] سورة البقرة: ٢٠٣

[3] جامع البيان عن تأويل أي القرآن للطبري، سورة البقرة، تحت الآية: ٢٠٣ وسنده صحيح

[4] صحيح مسلم: ١٣٤٧۔ مسند الإمام أحمد بن حنبل، بتحقيق أحمد محمد شاكر (باختلاف يسير): ٧١٣٤ وسنده صحيح

[5] سنن أبي داؤد: ١٣٤٧۔ سنن النسائي: ٣٠٠٧ وسنده حسن لذاته

بالکل جائز اور درست ہے۔

جناب شقیق بن سلمۃ الاسدی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

”كَانَ عَلِيٌّ يُكَبِّرُ بَعْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ غَدَاةَ عَرَفَةَ ثُمَّ لَا يَقْطَعُ حَتَّى يُصَلِّي الْإِمَامُ مِنْ آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ ثُمَّ يُكَبِّرُ بَعْدَ الْعَصْرِ“

”سیدنا علی بن أبي الطالب رضی اللہ عنہ، عرفہ کے دن نمازِ فجر سے لے کر تیرہ ذوالحجہ کی نمازِ عصر کے بعد تک مسلسل تکبیرات پڑھا کرتے تھے۔“ [1]

جناب سلمۃ بن نبیط الاشجعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

”أَنَّهُ كَانَ يُكَبِّرُ مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ يَوْمَ عَرَفَةَ إِلَى صَلَاةِ الْعَصْرِ مِنْ آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ.“

”جناب ضحاک بن مزاحم التابعی رحمہ اللہ یومِ عرفہ کی نمازِ فجر سے لے کر آخری یومِ تشریق کی نمازِ عصر تک تکبیرات کہا کرتے تھے۔“ [2]

تکبیرات کے الفاظ سے متعلق، نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب معروف روایت، انتہائی ضعیف ہے۔ تاہم بعض سلف الصالحین سے تکبیرات کے مختلف الفاظ ثابت ہیں۔

امام ابراہیم النخعی رحمہ اللہ:

”اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَاللهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ“ [3]

سیدنا سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ:

”اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا (تَكْبِيرًا)، أَللّٰهُمَّ أَنْتَ أَعْلَى وَأَجَلُّ مِنْ أَنْ تَكُونَ لَكَ صَاحِبَةٌ، أَوْ يَكُونَ لَكَ وَلَدٌ، أَوْ يَكُونَ لَكَ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ، أَوْ يَكُونَ لَكَ وَلِيٌّ مِنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا، أَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا، أَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا“ [4]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما:

① ”اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا، اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَأَجَلُّ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ“ [5]

② ”اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَأَجَلُّ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ عَلَى مَا هَدَانَا“ [6]

---

[1] السنن الكبير للبيهقي، بتحقيق عبدالله بن عبدالمحسن التركي: ٦٣٤٦ ـ المستدرك على الصحيحين، بتحقيق مصطفى عبدالقادر عطا: ١١١٣ وسنده حسن لذاته

[2] المصنف لابن أبي شيبة، بتحقيق حمد الجمعة ومحمد اللحيدان: ٥٦٨٨ وسنده صحيح

[3] المصنف لابن أبي شيبة، بتحقيق حمد الجمعة ومحمد اللحيدان: ٥٦٩٣ وسنده صحيح

[4] السنن الكبير للبيهقي، بتحقيق عبد الله بن عبد المحسن التركي: ٦٣٥٤ ـ المصنف لعبد الرزاق الصنعاني، طبع: دار التأصيل: ٢١٥٠٥ (باختلاف يسير) وسنده صحيح

[5] المصنف لابن أبي شيبة، بتحقيق حمد الجمعة ومحمد اللحيدان: ٥٦٩٨ وسنده صحيح

[6] السنن الكبير للبيهقي، بتحقيق عبدالله بن عبدالمحسن التركي: ٦٣٥٢ وسنده صحيح

بالکل جائز اور درست ہے۔

جناب شقیق بن سلمۃ الاسدی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

"كَانَ عَلِيٌّ يُكَبِّرُ بَعْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ غَدَاةَ عَرَفَةَ ثُمَّ لَا يَقْطَعُ حَتَّى يُصَلِّي الْإِمَامُ مِنْ آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ ثُمَّ يُكَبِّرُ بَعْدَ الْعَصْرِ"

"سیدنا علی بن أبی الطالب رضی اللہ عنہ عرفہ کے دن نمازِ فجر سے لے کر تیرہ ذوالحجہ کی نمازِ عصر کے بعد تک مسلسل تکبیرات پڑھا کرتے تھے۔ [1]

جناب سلمۃ بن نبیط الاشجعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

"أَنَّهُ كَانَ يُكَبِّرُ مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ يَوْمَ عَرَفَةَ إِلَى صَلَاةِ الْعَصْرِ مِنْ آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ."

"جناب ضحاک بن مزاحم التابعی رحمہ اللہ یومِ عرفہ کی نمازِ فجر سے لے کر آخری یومِ تشریق کی نمازِ عصر تک تکبیرات کہا کرتے تھے۔" [2]

تکبیرات کے الفاظ سے متعلق، نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب معروف روایت، انتہائی ضعیف ہے۔ تاہم بعض سلف الصالحین سے تکبیرات کے مختلف الفاظ ثابت ہیں۔

امام ابرہیم النخعی رحمہ اللہ:

"اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ" [3]

سیدنا سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ:

"اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا (تَكْبِيرًا)، أَللّٰهُمَّ أَنْتَ أَعْلَى وَأَجَلُّ مِنْ أَنْ تَكُونَ لَكَ صَاحِبَةٌ، أَوْ يَكُونَ لَكَ وَلَدٌ، أَوْ يَكُونَ لَكَ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ، أَوْ يَكُونَ لَكَ وَلِيٌّ مِنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا، أَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا، أَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا" [4]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما:

1. "اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا، اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَأَجَلُّ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ" [5]
2. "اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَأَجَلُّ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ عَلَى مَا هَدَانَا" [6]

---

[1] السنن الكبير للبيهقي، بتحقيق عبدالله بن عبدالمحسن التركي: ٦٣٤٦ - المستدرك على الصحيحين، بتحقيق مصطفى عبدالقادر عطا: ١١١٣ وسنده حسن لذاته

[2] المصنف لابن أبي شيبة، بتحقيق حمد الجمعة و محمد اللحيدان: ٥٦٨٨ وسنده صحيح

[3] المصنف لابن أبي شيبة، بتحقيق حمد الجمعة و محمد اللحيدان: ٥٦٩٣ وسنده صحيح

[4] السنن الكبير للبيهقي، بتحقيق عبد الله بن عبد المحسن التركي: ٦٣٥٤ - المصنف لعبد الرزاق الصنعاني، طبع: دار التأصيل: ٢١٥٠٥ (باختلاف يسير) وسنده صحيح

[5] المصنف لابن أبي شيبة، بتحقيق حمد الجمعة و محمد اللحيدان: ٥٦٩٨ وسنده صحيح

[6] السنن الكبير للبيهقي، بتحقيق عبدالله بن عبدالمحسن التركي: ٦٣٥٢ وسنده صحيح

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ عشرہ ذوالحجہ کی فضیلت کا سبب بیان کرتے ہوئے، رقمطراز ہیں:

”وَالَّذِي يَظْهَرُ أَنَّ السَّبَبَ فِي امْتِيَازِ عَشْرِ ذِي الحجَّةِ لِمَكَانِ اِجْتِمَاعِ أُمَّهَاتِ الْعِبَادَةِ فِيهِ، وَهِيَ الصَّلَاةُ وَالصِّيَامُ وَالصَّدَقَةُ وَالحجّ وَلَا يَتَأَتَّى ذَلِكَ فِي غَيْرِهِ۔“

”عشرہ ذوالحجہ کے امتیاز کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں میں (تمام) بنیادی عبادات جیسے نماز، روزہ، صدقہ اور حج ایک ساتھ جمع ہوجاتی ہیں جو ان کے علاوہ کسی اور دن میں جمع نہیں ہوتیں۔“ [1]

ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم وتب علينا إنك أنت التواب الرحيم وصلى الله وسلم وبارك على سيدنا ونبينا محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين۔

[1] فتح الباري بشرح صحيح البخاري للعسقلاني، بتحقيق شعيب الأرناؤوط: ٤/٤٧، تحت الحديث: ٩٦٩

قرآن کی روشنی میں عید الاضحیٰ کے بعض مقاصد اور حکمتیں

محمد شاہ رخ خان
iamsrkkhaan@gmail.com

قربانی کرنا یعنی اللہ کی راہ میں مخصوص جانور، مخصوص اوقات وصفات پر ذبح کرنا شعائرِ اسلامیہ میں سے ایک اہم ترین شعار ہے جس کا اعادہ مسلمانانِ عالم ہر سال عید الاضحیٰ یعنی بکرا عید کے موقع پر کرتے ہیں۔

ذیل میں اس عمل کے پیچھے کچھ مخصوص حکمتیں ذکر کی جا رہی ہیں تا کہ اس کے مقاصد کو اچھی طرح سمجھا جا سکے اور اس دفعہ اس کو مزید جوش وجذبہ سے ادا کیا جا سکے:

① اللہ کی عبادت کو بجا لانا اور اس کا قرب حاصل کرنا۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝٢﴾

''اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور نحر (یعنی قربانی) کریں۔'' [1]

اسی طرح ایک موقع پر قربانی کو بھی دیگر عبادات کی طرح اللہ کے لیے خالص کرنے کی ہدایت کی:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٦٢﴾

''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ بے شک میری نماز، میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا صرف اللہ کے لیے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔'' [2]

② امام الموحدین سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی کمال اطاعت اور ان کے اور ان کے بیٹے کے صبر کو ملحوظ رکھ کر ان کی سنت کو زندہ رکھنا اور یقیناً وہ توحید اور تکمیل اطاعت میں لائق اتباع تھے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ﴾

''پس تحقیق ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں میں آپ کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔'' [3]

③ لذیذ کھانوں کا اہتمام کر کے اہل وعیال پر فراخ دلی کا مظاہرہ کرنا۔

④ غرباء ومساکین کا خیال رکھتے ہوئے ان کو قربانی کا گوشت پہنچا کر ان کو بھی نعمتوں میں شامل کرنا۔

ان دونوں باتوں کی اصل اس آیت میں ہے:

---

[1] سورۃ الکوثر: ۲
[2] سورۃ الانعام: ۱۶۲
[3] سورۃ الممتحنہ: ۴

﴿فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِيْرَ﴿٢٨﴾﴾

’’پس خود بھی کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ۔‘‘ [1]

⑤ اپنی محبوب اشیاء کو اللہ کی راہ میں، اللہ کا حکم سمجھتے ہوئے قربان کر دینا۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴿٩٢﴾﴾

’’تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز سے اللہ کی راہ میں خرچ نا کرلو۔‘‘ [2]

⑥ بغیر ریا کاری کے خالص اللہ کی راہ میں خرچ کرنا، جس کی بنیاد صرف تقویٰ پر ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾

’’اللہ کو ہرگز (تمہارے جانوروں کا) گوشت یا خون نہیں پہنچتا بلکہ تمہاری جانب سے تقویٰ پہنچتا ہے۔‘‘ [3]

⑦ اس بات کی یاد دہانی کے لیے کہ اللہ کی اطاعت میں بظاہر کوئی چیز ہمارے خلاف یا نقصان کی لگ رہی ہو، لیکن اللہ کی جانب سے اس میں سراسر خیر ہی پنہاں ہوتی ہے۔ جیسا کہ اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے قصے میں فرمایا:

﴿وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ﴿١٠٧﴾﴾

’’اور ہم نے اس (اسماعیل) کی جگہ ایک عظیم ذبیحہ رکھ دیا۔‘‘ [4]

⑧ بچوں کو اللہ تعالیٰ پر اعتماد کی تعلیم دینا، نیک والدین پر بھروسہ کرنا اور والدین کا بچوں کے دینی جذبات کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں مدد کرنا، نیز بچوں سے نیکی کے کاموں میں یا اہم کاموں میں مشورہ کرنا۔ یہ سب دروس اس آیت مبارکہ سے ملتے ہیں:

﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ؗ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴿١٠٢﴾﴾

’’(ابراہیم علیہ السلام نے کہا) اے میرے بیٹے! میں تمہیں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں، تمہاری کیا رائے ہے؟ (اسماعیل علیہ السلام نے کہا) وہ کیجیے جس کا آپ کو حکم ملا ہے آپ مجھے ان شاء اللہ صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔‘‘ [5]

⑨ حاجیوں کے ساتھ شعائر اسلام کی تکمیل میں یکجہتی کے اظہار کرنا اور بیت اللہ نہ جا پانے کے باوجود دنیا کے کونے کونے میں اللہ کے حکم کی تعمیل کر کے اسلام کو قائم کرنا اور علی الاعلان شعائر اسلام پر عمل کر کے ان کی اہمیت کو اجاگر کرنا جس سے ضعف زائل اور ایمان مضبوط تر ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴿٣٢﴾﴾

---

[1] سورۃالحج:۲۸
[2] سورۃآل عمران:۹۲
[3] سورۃالحج:۳۷
[4] سورۃالصافات:۱۰۷
[5] سورۃالصافات:۱۰۲

’’(یہ سن لیا اب اور سنو) جو بھی اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے گا تو یہ دلوں کے تقویٰ کی وجہ سے ہے۔‘‘ [۱]

⑩ ہر طرح کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونا۔ کسی طرح کی نعمت کو اپنے لیے بلا وجہ حرام یا لوگوں کے شبہات سے اسے حرام یا برا نا سمجھنے لگنا جیسا کہ آج کل کچھ لوگ جانور ذبح کرنے اور گوشت کھانے کو جانوروں کے ساتھ ظلم تصور کرتے ہیں یا بعض لوگ تقویٰ یا سادگی کے نام پر کسی دن بھی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کو معیوب سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿١١٤﴾﴾

’’سو کھاؤ اس میں سے جو اللہ نے تمہیں حلال، پاکیزہ رزق دیا ہے اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو، اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔‘‘ [۲]

❋ ❋ ❋

[۱] سورۃ الحج: ۳۲

[۲] سورۃ النحل: ۱۱۴

قربانی کے بعض احکام ومسائل

عادل عبدالرحمن
aarahman101@gmail.com

الحمدلله رب العالمین والصلاة والسلام علی رسوله الأمین ﷺ. وبعد!

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے قربانی کرنا، گزشتہ تمام آسمانی شرائع کے نظامِ عبادت کا لازمی حصہ رہا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ﴾

”اور ہم نے ہر اُمت کے لیے قربانی کا ایک طریقہ مقرر کیا ہے تاکہ جو جانور ہم نے انہیں عطا کیے ہیں ان پر وہ اللہ کا نام لیا کریں۔“ [1]

قربانی کے اس مقدس سلسلہ کو جاری وساری رکھنے کے لیے، یہی حکم اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی آخری نبی سیدنا محمد کریم ﷺ کو دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾

”پس (اے نبی ﷺ) آپ اپنے پروردگار کے لیے نماز ادا کیجیے اور قربانی کیجیے۔“ [2]

فوائد:

① آیتِ مذکورہ میں ”نماز“ سے مراد، عیدالاضحیٰ کی نماز ہے اور نحر سے مراد، اسی دن نمازِ عید کے بعد قربانی ہے۔ [3]

② ”نحر“ کے اصل معنیٰ، اونٹ کے حلقوم میں چھری یا نیزہ مار کر اسے ذبح کرنا ہے لیکن یہاں ”نحر“ سے مطلقاً قربانی مراد ہے۔ [4]

قربانی کا مقصد، محض اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا، اس کا قرب، نفس کی پاکیزگی اور تقویٰ کا حصول ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾

”(اے نبی ﷺ) آپ ان سے کہہ دیجیے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب کچھ، صرف اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔“ [5]

﴿لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ﴾

---

[1] سورۃ الحج، الآیۃ:٣٤

[2] سورۃ الکوثر، الآیۃ:٢

[3] تفسیر تیسیر القرآن از شیخ عبدالرحمن کیلانی رحمہ اللہ، سورۃ الکوثر، تحت الآیۃ:٢

[4] تفسیر احسن البیان از شیخ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ، سورۃ الکوثر، تحت الآیۃ:٢

[5] سورۃ الانعام، الآیۃ:١٦٢

''اللہ تعالیٰ کو قربانی کے جانوروں کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کے خون، بلکہ اسے تو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔'' [1]

قربانی کی قبولیت کی درج ذیل دو بنیادی شرائط ہیں:

① **تقویٰ و پرہیز گاری کا حصول:**

ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ﴾

''(اے نبی ﷺ) آپ ان (اہل کتاب) کو آدم کے دو بیٹوں کا سچا واقعہ سنایئے۔ جب ان دونوں نے (اللہ کے حضور) قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قربانی تو قبول ہوگئی اور دوسرے کی نہ ہوئی۔ دوسرے نے پہلے سے کہا: میں ضرور تمہیں ماردوں گا۔ پہلے نے جواب دیا: (اس میں میرا کیا قصور) اللہ تو صرف پرہیز گاروں کی قربانی قبول کرتا ہے۔'' [2]

② **رزقِ حلال:**

سیدنا ابوھریرۃ الدوسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا.''

''لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک مال ہی قبول فرماتا ہے۔'' [3]

اس مختصر تمہید کے بعد، قربانی کے بعض اہم مسائل کتاب وسنت کی روشنی میں پیشِ خدمت ہیں:

۱) راجح مؤقف کے مطابق، جمہور علماء کے نزدیک، قربانی سُنتِ مؤکدہ ہے۔ اس کے وجوب پر کوئی صحیح شرعی دلیل موجود نہیں۔

سیدنا براء بن عازب الانصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ بِهِ فِي يَوْمِنَا هَذَا أَنْ نُصَلِّيَ، ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ، مَنْ فَعَلَهُ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا.''

''آج (عیدالاضحیٰ کے دن) کی ابتدا ہم نماز (عید) سے کریں گے پھر واپس آ کر قربانی کریں گے۔ جس نے اس طرح عمل کیا تو اس نے ہماری سنت کو اختیار کیا۔'' [4]

فائدۃ:

مذکورہ روایت میں ''فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا'' (تو اس نے ہماری سنت کو اختیار کیا) کے الفاظ، دلیل ہیں کہ قربانی سنتِ مؤکدہ ہے، واجب نہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے قربانی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''هِيَ سُنَّةٌ وَمَعْرُوفٌ.''

---

[1] سورة الحج، الآية: ٣٧
[2] سورة المائدة، الآية: ٢٧
[3] صحيح مسلم: ١٠١٥ - سنن الترمذي: ٢٩٨٩
[4] صحيح البخاري: ٥٥٤٥ - مسند الإمام أحمد بن حنبل، بتحقيق حمزة أحمد الزين: ١٨٣٩٢

”یہ (نبی کریم ﷺ کی) سُنّت اور نیکی ہے۔“ [1]

۲) کتاب وسنت کی واضح نصوص کے مطابق قربانی کے لیے جانور کا ”بھیمة الأنعام“ (پالتو، یعنی اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری) میں سے ہونا لازمی ہے نیز اس میں نر اور مادہ دونوں شامل ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ﴾

”اور چند مقررہ دنوں میں، ان جانوروں پر اللہ کا نام ذکر (کرکے انہیں ذبح) کریں جو اس نے انہیں عطا کئے ہیں۔“ [2]

۳) بھینس کی قربانی کے جواز وعدم جواز کے حوالہ سے معاصر علماء أہل السنۃ والحدیث میں کافی اختلاف موجود ہے تاہم تمام اہل علم ولغت کے نزدیک بھینس، گائے کی ہی ایک جنس ہے۔ چوں کہ یہ ایک خالص اجتہادی مسئلہ ہے اس لیے اس میں شدت پسندی سے بہر صورت بچنا چاہیے۔

امام احمد بن حنبل الشیبانی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: ”کیا بھینس (کی قربانی) میں سات حصے ہوسکتے ہیں؟“ تو امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا:

”لَا أَعْرِفُ خِلَافَ هَذَا.“

”میں نہیں جانتا کہ اس (مسئلہ) میں کسی کا اختلاف ہے۔“ [3]

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ، بھینس کے بارے میں فرماتے ہیں:

”اَلجاموس نَوعٌ مِنَ البَقرِ، وَاللهُ عَزَّ وَجَلَّ ذَكَرَ فِي الْقُرآنِ المعْرُوف عِنْدَ الْعَرَبِ الَّذِينَ يُحَرِّمُونَ مَا يُرِيدُونَ، وَيُبِيحُونَ مَا يُرِيدُونَ، وَالجاموسُ لَيسَ مَعْرُوفًا عِنْدَ الْعَرَبِ.“

”بھینس، گائے ہی کی نسل ہے۔ اللہ عز وجل نے قرآنِ کریم میں صرف ان جانوروں کا ذکر کیا ہے جو عربوں کے ہاں معروف تھے۔ (دورِ جاہلیت میں) عرب، جانوروں میں سے، جسے چاہتے حلال قرار دے دیتے اور جسے چاہتے حرام قرار دے دیتے تھے اور بھینس تو عربوں کے ہاں معروف ہی نہ تھی (اور مقصد حلت وحرمت بتانا تھا نہ کہ نسلیں)۔“ [4]

۴) قربانی کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ذوالحجۃ کا چاند نظر آنے سے لے کر قربانی کر لینے تک اپنے جسم کے کسی بھی حصہ کے بال اور ناخن کاٹنے سے اجتناب کرے۔

سیدۃ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”إِذَا دَخَلَتِ الْعَشْرُ وَأَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يُضَحِّيَ فَلَا يَمَسَّ مِنْ شَعْرِهِ وَبَشَرِهِ شَيْئًا.“

”جب عشرۃ (ذوالحجۃ) شروع ہوجائے اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اپنے بالوں اور ناخنوں کو نہ

[1] صحيح البخاري (تعليقًا)، قبل الحديث: ٥٥٤٥۔ تغليق التعليق على صحيح البخاري، بتحقيق سعيد القزقي: ٣/٥ وسنده صحيح

[2] سورة الحج، الآية: ٢٨،٣٤۔ سورة الانعام: ١٤٤۔١٤٢

[3] مسائل الإمام أحمد وإسحاق برواية الكوسج، طبع: الجامعة الإسلامية بالمدينة، رقم المسألة: ٢٨٦٥

[4] مجموع فتاویٰ ورسائل فضيلة الشيخ محمد بن صالح العثيمين، بتحقيق فهد بن ناصر بن إبراهيم السليمان: ٣٤/٢٥، [مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: بھینس کی قربانی، ایک علمی وتحقیقی جائزہ از شیخ عنایت اللہ سنابلی/ بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ از شیخ نعیم الحق ملتانی نیز شیخ ابو یحیٰ نور پوری کا مضمون: بھینس کی قربانی]

کاٹے۔“ [1]

فائدۃ:

بہتر ہے کہ گھر کے تمام افراد ہی اس عمل کی پابندی کریں، خواہ ان کے نام سے قربانی ہو یا نہ ہو۔

جناب نافع المدنی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

”أَنَّ ابْنَ عُمَرَ مَرَّ بِامْرَأَةٍ تَأْخُذُ مِنْ شَعْرِ ابْنِهَا فِي أَيَّامِ الْعَشْرِ فَقَالَ: لَوْ أَخَّرْتِيهِ إِلَى يَوْمِ النَّحْرِ كَانَ أَحْسَنَ.“

”سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایام ذوالحجۃ میں ایک عورت کو اپنے بیٹے کے بال کاٹتے دیکھ کر فرمایا: اگر قربانی والے دن تک اسے مؤخر کر دیتی تو بہتر تھا۔“ [2]

۵) قربانی کی استطاعت نہ رکھنے والا شخص بھی مذکورہ بالا طریقے پر عمل کر کے پوری قربانی کا اجر وثواب حاصل کر سکتا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: ”فرمایئے! اگر مجھے دودھ والے جانور کے سوا کوئی اور جانور نہ ملے تو کیا میں اسی کی قربانی کر دوں؟“ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”لَا وَلَكِنْ تَأْخُذُ مِنْ شَعْرِكَ وَأَظْفَارِكَ وَتَقُصُّ شَارِبَكَ وَتَحْلِقُ عَانَتَكَ فَتِلْكَ تَمَامُ أُضْحِيَتِكَ عِنْدَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ.“

”نہیں! بلکہ (عیدالاضحیٰ کے بعد) اپنے بال کاٹ لو، ناخن اور مونچھیں تراش لو اور زیر ناف کی صفائی کر لو، اللہ عزوجل کے ہاں یہی تمہاری کامل قربانی ہوگی۔“ [3]

۶) مقیم کی طرح، مسافر کے لیے بھی قربانی کرنا مسنون ومستحب ہے۔

سیدۃ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

”أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم دَخَلَ عَلَيْهَا وَحَاضَتْ بِسَرِفٍ قَبْلَ أَنْ تَدْخُلَ مَكَّةَ وَهِيَ تَبْكِي فَقَالَ: مَا لَكِ أَنَفِسْتِ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ: إِنَّ هَذَا أَمْرٌ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَى بَنَاتِ آدَمَ فَاقْضِي مَا يَقْضِي الحَاجُّ غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوفِي بِالْبَيْتِ فَلَمَّا كُنَّا بِمِنًى أُتِيتُ بِلَحْمِ بَقَرٍ فَقُلْتُ: مَا هَذَا؟ قَالُوا: ضَحَّى رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ أَزْوَاجِهِ بِالْبَقَرِ.“

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے جب کہ وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے مقام سرف پر حائضہ ہو چکی تھیں اور رو رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا بات ہے، کیا تمہیں حیض آ گیا ہے؟ سیدہ عائشہ نے کہا: جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں کے مقدر میں لکھ دی ہے۔ تم حاجیوں کی طرح اعمال حج ادا کرو مگر بیت اللہ کا طواف نہ کرو۔ جب ہم منیٰ میں تھے تو میرے پاس گائے کا گوشت لایا گیا۔ میں نے کہا: یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی ہے۔“ [4]

---

[1] صحيح مسلم: ١٩٧٧ ـ سنن النسائي: ٤٣٦١

[2] المستدرك على الصحيحين للحاكم، بتحقيق مصطفى عبدالقادر عطا: ٧٥٢٠ وسنده حسن لذاته

[3] سنن أبي داؤد: ٢٧٨٩ ـ سنن النسائي: ٤٣٧٠ وسنده حسن لذاته

[4] صحيح البخاري: ٥٥٤٨ ـ صحيح مسلم: ١٢١١

فائدۃ:

امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر باب ''بَابُ الأُضْحِيَةِ لِلْمُسَافِرِ وَالنِّسَاءِ'' (مسافروں اور عورتوں کی طرف سے قربانی) باندھ کر اس سے مسافروں کے لیے قربانی کا جواز ثابت کیا ہے۔

۷) قربانی کے لیے جانور کا کم از کم دو دانتا ہونا شرط ہے۔ اگر تنگی کی وجہ سے دو دانتا جانور نہ ملے تو اس کے بدلے ایک سال کے بھیڑ (دنبہ) کی قربانی کی جاسکتی ہے۔

سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لَا تَذْبَحُوا إِلَّا مُسِنَّةً إِلَّا أَنْ يَعْسُرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوا جَذَعَةً مِنَ الضَّأْنِ.''

''صرف مسنہ (دو دانتا) جانور کی قربانی کرو۔ ہاں! اگر تمہیں تنگی یا دشواری ہو تو ایک سالہ دنبہ یا مینڈھا ذبح کر لو۔'' [1]

فائدۃ:

تنگی کی دو صورتیں ہیں:

① منڈی میں دو دانتا نہ مل رہا ہو۔

② منڈی میں دو دانتا جانور کی قیمت انتہائی زیادہ ہو۔

ایک سال کا بھیڑ (دنبہ) صرف اس وقت جائز ہے جب دو دانتا جانور کے حصول میں شدید مشکل پیش آرہی ہو، مطلق ایک سال کا بھیڑ (دنبہ) کافی نہیں ہے۔

۸) قربانی کا جانور ہر قسم کے ظاہری عیوب سے پاک ہونا چاہیے۔ تاہم اگر جانور خریدنے کے بعد اس میں کوئی نقص یا بیماری پیدا ہو جائے تو ایسے جانور کی قربانی جائز ہے۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے قربانی کے جانوروں میں ایک بھینگی (کانی) اونٹنی دیکھی تو فرمایا:

''إِنْ كَانَ أَصَابَهَا بَعْدَمَا اشْتَرَيْتُمُوهَا فَأَمْضُوهَا وَإِنْ كَانَ أَصَابَهَا قَبْلَ أَنْ تَشْتَرُوهَا فَأَبْدِلُوهَا.''

''یہ عیب اگر خریداری کے بعد ہوا ہے تو اس کی قربانی کر لو اور اگر خریداری سے پہلے تھا تو اسے بدل لو۔'' [2]

امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ نے فرمایا:

''إِذَا اشْتَرَى الرَّجُلُ أُضْحِيَةً فَمَرِضَتْ عِنْدَهُ أَوْ عَرَضَ لَهَا مَرَضٌ فَهِيَ جَائِزَةٌ.''

''جب کوئی شخص قربانی کا جانور خریدے پھر وہ اس کے پاس بیمار ہو جائے یا اسے کوئی مرض لاحق ہو جائے تو اس کی قربانی جائز ہے۔'' [3]

۹) واضح طور پر کانا، بیمار، لنگڑا، بے حد کمزور (جیسے ہڈیوں کا ڈھانچہ) اور نصف یا نصف سے زائد سینگ/کان کٹے ہوئے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔

---

[1] صحيح مسلم: ١٩٦٣ - سنن أبي داؤد: ٢٧٩٧

[2] السنن الكبير للبيهقي، بتحقيق عبدالله بن عبد المحسن التركي: ١٩٢٢٢ وسنده صحيح

[3] المصنف لعبد الرزاق الصنعاني، بتحقيق أيمن الأزهري: ٨١٩٢ وسنده صحيح

سیدنا براء بن عازب الانصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أَرْبَعٌ لَا تجوزُ في الْأَضَاحِيِ، فَقَالَ: الْعَوْرَاءُ بيِّنٌ عَوَرُهَا وَالمرِيضَةُ بيِّنٌ مَرَضُهَا وَالْعَرْجَاءُ بيِّنٌ ظَلْعُهَا وَالْكَسِيرُ الّتِي لَا تَنْقَى."

"چار قسم کے جانور قربانی کے لیے جائز نہیں ہیں: کانا، جس کا کانا پن ظاہر ہو۔ بیمار، جس کی بیماری واضح ہو۔ لنگڑا، جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو۔ اور انتہائی کمزور، کہ اس کی ہڈی میں گودا تک نہ ہو۔" [1]

سیدنا علی بن ابی الطالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"نَهَى رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ يُضَحَّى بِأَعْضَبِ الْقَرْنِ وَالْأُذُنِ."

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے جانوروں کی قربانی سے منع فرمایا ہے جن کے سینگ ٹوٹے اور کان کٹے پھٹے ہوں۔" [2]

امام سعید بن المسیّب رحمہ اللہ نے "أَعْضَبِ الْقَرْنِ وَالْأُذُنِ" کی تفسیر میں فرمایا:

"الْعَضْبُ النِّصْفُ فَمَا فَوْقَ ذٰلِكَ."

"ایسا جانور جس کا نصف یا نصف سے زائد سینگ ٹوٹا یا کان کٹا پھٹا ہو۔" [3]

۱۰) جانور خریدتے وقت اس کی آنکھیں اور کان بغور دیکھنے چاہئیں۔

سیدنا علی بن ابی الطالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ نَسْتَشْرِفَ الْعَيْنَيْنِ وَالْأُذُنَيْنِ."

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (قربانی کے) جانوروں کی آنکھیں اور کان اچھے سے دیکھ لینے کا حکم دیا ہے۔" [4]

فائدۃ:

"أَجمعُوا عَلَى أَنّ الْعَمْيَاءَ لَا تجزِئُ."

"اس پر اجماع ہے کہ اندھے جانور کی قربانی جائز نہیں۔" [5]

۱۱) قربانی کے جانور کے سینگ، دانت یا کان میں معمولی اور غیر واضح نقص، قربانی کے لیے شرعی عیب نہیں ہے۔

جناب عبید بن فیروز رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے کہا:

"إِنِي أَكْرَهُ أَنْ يَكُونَ فِي الْقَرْنِ نَقْصٌ وَأَنْ يَكُونَ فِي السِّنّ نَقْصٌ (وَأَنْ يَكُونَ نَقْصٌ فِي الْأُذُنِ) قَالَ مَا كَرِهْتَهُ فَدَعْهُ وَلَا تحرِّمْهُ عَلَى أَحَدٍ."

"مجھے (قربانی کے جانور کے) سینگ، دانت یا کان میں کوئی نقص یا کمی بھی پسند نہیں ہے۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جسے تو

---

[1] سنن أبي داوٗد: ۲۸۰۲ ـ سنن النسائي: ٤٣٧٤ وسنده صحيح
[2] سنن الترمذي: ١٥٠٤ ـ سنن النسائي: ٤٣٨٢ وسنده حسن لذاته
[3] صحيح ابن خزيمة، بتحقيق ناصر الدين ألباني: ٢٩١٣ ـ سنن الترمذي: المرجع السابق ـ سنن النسائي: المرجع السابق وسنده حسن لذاته
[4] سنن الترمذي: ١٥٠٣ ـ سنن ابن ماجة: ٣١٤٣ وسنده حسن لذاته
[5] المجموع شرح المهذب للنووي، بتحقيق محمد نجيب المطيعي: ٣٧٩/٨

ناپسند کرتا ہے اسے چھوڑ دے (اس کی قربانی نہ کر) لیکن کسی دوسرے پر اسے حرام نہ کر۔'' [1]

فائدۃ:

امام ابوسلیمان الخطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''أَنَّ الْعَيْبَ الخفيف في الضَّحَايَا مَعْفُوٌّ عَنْهُ.''

''قربانی کے جانور میں معمولی (اور غیر واضح) نقص معاف ہے۔'' [2]

۱۲) نبی کریم ﷺ نے قربانی کے جانور کے جو عیوب بیان فرمائے ہیں ان میں جانور کے خصی ہونے یا نہ ہونے کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے نہ ہی ہر طرح کا عیب قربانی کے لیے رکاوٹ ہے۔ فلہٰذا خصی وغیر خصی ہر دو طرح کے جانور کی قربانی بالکل جائز اور درست ہے۔

امام احمد بن حنبل الشیبانی رحمہ اللہ سے اس بارے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

''أَرْجُو أَلَّا يَكُونَ بِهِ بَأْسٌ.''

''مجھے امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔'' [3]

۱۳) سینگ والے جانور کی قربانی بغیر سینگ والے جانور سے افضل ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''ضَحَّى النَّبِيُّ ﷺ بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ.''

''نبی کریم ﷺ نے دو سفید رنگ کے بڑے سینگوں والے مینڈھوں کی قربانی دی۔'' [4]

۱۴) قربانی کے جانور کا دُم کٹا ہونا کوئی شرعی عیب نہیں ہے اس بابت منقول روایت ضعیف وناقابلِ استدلال ہے۔ تاہم اگر کسی کا دل اس پر مطمئن نہ ہو تو ایسے جانور کی قربانی بے شک نہ کرے۔ [5]

۱۵) تمام اہلِ خانہ کی طرف سے ایک بکری، بھیڑ (مینڈھا، دنبہ)، گائے یا اونٹ کا ایک حصہ کافی ہے خواہ اہل خانہ کی تعداد کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ نیز گھر والوں کی طرف سے الگ قربانی کرنا بھی مشروع ہے۔

جناب عطاء بن یسار رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''كَيْفَ كَانَتْ الضَّحَايَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ كَانَ الرَّجُلُ يُضَحِّي بِالشَّاةِ عَنْهُ وَعَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ.''

''رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قربانیاں کیسے ہوتی تھیں؟ تو انہوں نے کہا: ایک آدمی اپنی اور اپنے گھر والوں کی طرف

---

[1] سنن النسائي: ٤٣٦٩ - سنن ابن ماجة: ٣١٤٤ (باختلاف يسير) وسنده صحيح

[2] سنن أبي داؤد مع معالم السنن للخطابي، بتحقيق عزت الدعاس وعادل السيد، تحت الحديث: ٢٨٠٢

[3] مسائل الإمام أحمد وإسحاق برواية الكوسج، طبع: الجامعة الإسلامية بالمدينة، رقم المسألة: ٢٨٦٣

[4] صحيح مسلم: ١٩٦٦ - مسند الإمام احمد بن حنبل، بتحقيق حمزة أحمد الزين: ١٢٦٧٢

[5] سنن النسائي: ٤٣٧٧ وسنده ضعيف

سے ایک بکری قربانی کرتا تھا۔'' [1]

سیدۃ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''وَضَحَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ نِسَائِهِ بِالْبَقَرِ.''

''رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کی قربانی دی۔'' [2]

۱۶) اتباعِ سنّت، اخلاص اور حصولِ تقویٰ کی نیّت سے ایک سے زیادہ جانور کی قربانی بھی مسنون ومستحب عمل ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ وَأَنَا أُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ.''

''نبی کریم ﷺ دو مینڈھوں کی قربانی کیا کرتے تھے اور میں بھی دو مینڈھوں کی (ہی) قربانی کرتا ہوں۔'' [3]

۱۷) گائے میں سات جب کہ اونٹ میں سات یا دس تک حصہ دار شریک ہو سکتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

''كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي سَفَرٍ فَحَضَرَ الْأَضْحَى فَاشْتَرَكْنَا فِي الْبَقَرَةِ سَبْعَةً وَفِي الْبَعِيرِ عَشَرَةً.''

''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ قربانی کا دن آ گیا۔ سو ہم نے گائے میں سات اور اونٹ میں دس آدمیوں کو شریک کیا۔'' [4]

۱۸) انفرادی طور پر بالترتیب سب سے پہلے اونٹ، پھر گائے، پھر بھیڑ اور پھر بکری کی قربانی افضل ہے۔

سیدنا ابوہریرۃ الدوسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مَنْ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ رَاحَ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا أَقْرَنَ وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً.''

''جو شخص جمعہ کے دن غسلِ جنابت کی طرح (اہتمام سے) غسل کرے پھر نماز کے لیے جائے تو گویا اس نے ایک اونٹ کی قربانی دی۔ جو شخص دوسری گھڑی میں جائے تو گویا اس نے گائے کی قربانی کی۔ اور جو شخص تیسری گھڑی میں جائے تو گویا اس نے سینگ دار مینڈھا بطور قربانی پیش کیا۔ جو چوتھی گھڑی میں جائے تو گویا اس نے ایک مرغی کا صدقہ کیا۔ اور جو پانچویں گھڑی میں جائے تو اس نے گویا ایک انڈا اللہ کی راہ میں صدقہ کیا۔'' [5]

---

[1] سنن الترمذي: ١٥٠٥ ۔ سنن ابن ماجة: ٣١٤٧ وسنده صحيح

[2] صحيح البخاري: ٢٩٤ ۔ صحيح مسلم: ٨۔١٢١١

[3] صحيح البخاري: ٥٥٥٣ ۔ سنن النسائي: ٤٣٨٥ ۔ صحيح مسلم: ١٩٦٦

[4] سنن الترمذي: ١٥٠١ ۔ سنن النسائي: ٤٣٩٧ وسنده حسن لذاته

[5] صحيح البخاري: ٨٨١ ۔ صحيح مسلم: ٨٥٠

فائدۃ:

امام یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَمَذْهَبُنَا وَمَذْهَبُ الجمهُورِ أَنَّ أَفْضَلَ الْأَنْوَاعِ الْبَدَنَةُ ثُمَّ الْبَقَرَةُ ثُمَّ الضَّأْنُ ثُمَّ المعزُ.“

”ہمارے اور جمہور (علماء) کے نزدیک (قربانی میں) سب سے افضل اونٹ، پھر گائے، پھر بھیڑ اور آخر پر بکری ہے۔“ [1]

19) نمازِ عید الاضحی کے بعد قربانی کرنا مشروع اور اس سے قبل ممنوع اور نا قابلِ قبول ہے۔اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کے بدلے دوسری قربانی کی جائے۔

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”ذَبَحَ أَبُو بُرْدَةَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم: أَبْدِلها۔“

”جناب ابو بردۃ رضی اللہ عنہ نے نمازِ عید سے پہلے قربانی کر لی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: اسے (دوسری قربانی سے) بدل دو (یعنی اس کے بدلے کوئی دوسری قربانی ذبح کرو)۔“ [2]

20) قربانی کا جانور خود ذبح کرنا افضل اور کسی دوسرے سے ذبح کروانا جائز ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ، وَيَضَعُ رِجْلَهُ عَلَى صَفْحَتِهِمَا وَيَذْبَحُهُمَا بِيَدِهِ.“

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سینگوں والے دو چتکبرے مینڈھوں کی قربانی کیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا پاؤں ان کی گردن پر رکھتے پھر اپنے ہاتھ سے انہیں ذبح کرتے تھے۔“ [3]

سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”فَنَحَرَ ثَلَاثًا وَسِتِّينَ بِيَدِهِ، ثُمَّ أَعْطَى عَلِيًّا، فَنَحَرَ مَا غَبَرَ.“

”پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تریسٹھ اونٹ اپنے دستِ مبارک سے نحر (یعنی قربان) کیے۔باقی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر دیے جنہیں انہوں نے نحر کیا۔“ [4]

21) جانور کو ذبح کرنے سے قبل، اس کے سامنے چھری تیز کرنا مکروہ وممنوع ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

ایک شخص بکری کو ذبح کرنے کے لیے لٹا کر چھری تیز کر رہا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس سے مخاطب ہو کر) فرمایا:

”أَتُرِيدُ أَنْ تُمِيتَهَا مَوْتَاتٍ؟ هَلَّا حَدَدْتَ شَفْرَتَكَ قَبْلَ أَنْ تُضْجِعَهَا.“

”کیا تو اسے کئی موتیں مارنا چاہتا ہے؟ تو نے اسے لٹانے سے قبل چھری تیز کیوں نہیں کر لی؟“ [5]

---

[1] صحيح مسلم بشرح النووي، بتحقيق محمد فؤاد عبد الباقي: ١٠٠/٧

[2] صحيح البخاري: ٥٥٥٧۔ صحيح مسلم: ١٩٦١

[3] صحيح البخاري: ٥٥٦٤۔ صحيح مسلم: ١٩٦٦

[4] صحيح مسلم: ١٢١٨

[5] المستدرك على الصحيحين، بتحقيق مصطفى عبد القادر عطا: ٧٥٦٣۔ المعجم الأوسط للطبراني، بتحقيق طارق عوض الله و محسن الحسيني: ٣٥٩٠ وسنده صحيح

فائدۃ:

امام یحیی بن شرف النووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَيُسْتَحَبُّ أَلَّا يحدّ السِّكِّينَ بِحَضْرَةِ الذَّبِيحَةِ.“

”مستحب یہ ہے کہ جانور کے سامنے چھری تیز نہ کی جائے۔“ [1]

(۲۲ جانور کو کم سے کم تکلیف اور عمدہ طریقے سے، خوب تیز دھار والی چھری کے ساتھ ذبح کرنا مستحب ومسنون عمل ہے۔

سیدنا شدّاد بن اَوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ، فَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ.“

”جب تم ذبح کرو تو احسن طریقہ سے ذبح کرو۔ تم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ (ذبح کرنے سے پہلے) چھری (کو اچھی طرح) تیز کرے اور اپنے ذبیحہ کو راحت پہنچائے۔“ [2]

سیدۃ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

رسول اللہ کے حکم پر قربانی کے لیے ایک مینڈھا لایا گیا تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

”هَلُمِّي الْمُدْيَةَ ثُمَّ قَالَ اشْحَذِيهَا بِحَجَرٍ فَفَعَلَتْ ثُمَّ أَخَذَهَا وَأَخَذَ الْكَبْشَ فَأَضْجَعَهُ ثُمَّ ذَبَحَهُ.“

”(عائشہ!) چھری لاؤ۔ پھر فرمایا: اس کو پتھر سے تیز کرلو۔ میں نے تیز کردی۔ پھر آپ ﷺ نے چھری لی، مینڈھے کو پکڑ کر لٹایا اور اسے ذبح کردیا۔“ [3]

(۲۳ ذبح کرتے وقت، جانور کو قبلہ رُخ لٹانا مسنون ہے۔

سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

”ذَبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الذَّبْحِ كَبْشَيْنِ أَقْرَنَيْنِ أَمْلَحَيْنِ مُوجَأَيْنِ، فَلَمَّا وَجَّهَهُمَا قَالَ...“

”نبی کریم ﷺ نے قربانی کے دن دو مینڈھے ذبح کیے جو سینگوں والے، چتکبرے اور خصی تھے۔ جب آپ نے انہیں قبلہ رخ کیا تو یہ (فلاں) دعا پڑھی...۔“ [4]

(۲۴ کسی بھی جانور کو ذبح کرتے وقت کم از کم ”بِسْمِ اللہ“ کہنا واجب ہے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق ”بِسْمِ اللہ وَاللہُ أَكْبَرُ“ کہنا بھی مسنون ہے۔

سیدۃ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

نبی کریم ﷺ نے (قربانی کا جانور) ذبح کرتے وقت فرمایا:

”بِاسْمِ اللهِ اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ.“

---

[1] صحيح مسلم بشرح النووي، تحت الحديث: ۱۹۵۵

[2] صحيح مسلم: ۱۹۵۵ ۔ سنن الترمذي: ۱٤۰۹

[3] صحيح مسلم: ۱۹٦۷ ۔ سنن أبي داؤد: ۲۷۹۲

[4] سنن أبي داؤد: ۲۷۹۵ ۔ سنن ابن ماجة: ۳۱۲۱ ۔ الدعوات الكبير للبيهقي، بتحقيق بدر بن عبد الله البدر: ٥٤٤ وسنده حسن لذاته

”اے اللہ! محمد ﷺ، محمد ﷺ کی آل اور محمد ﷺ کی اُمّت کی طرف سے اس (قربانی) کو قبول فرما۔“ [1]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”ضَحَّى النَّبِيُّ ﷺ بِكَبْشَيْنِ يُسَمِّي وَيُكَبِّرُ.“

”نبی کریم ﷺ نے دو مینڈھوں کو بِاسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ أَكْبَرُ کہہ کر ذبح کیا۔“ [2]

(25) قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت درج ذیل کلمات کہنا اور صاحبِ قربانی کا نام لینا مستحب ہے۔

”إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ، عَلَى مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ، وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ، اللَّهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ، وَعَنْ... (اس کے بعد جس کی/جن کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے اس کا/ان کا نام لیا جائے اور ”بِسْمِ اللّٰہِ“ یا ”بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ أَكْبَرُ“ پڑھ کر جانور ذبح کر دیا جائے)“ [3]

فوائد:

① قربانی ذبح کرتے ہوئے، درج بالا دعا میں صاحبِ قربانی اور اس کی آل کا نام لینا مشروع ہے۔ مثلاً ”عن“ کے بعد یوں کہے: ”فلاں وآلِ فلاں“، جیسا کہ بعض احادیث میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔ [4]

② قربانی میں اگر ایک سے زیادہ حصہ دار ہوں تو ”عن“ کے بعد ان کے نام لیے جائیں گے۔

③ صرف ”بِسْمِ اللّٰہِ“ یا ”بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ أَكْبَرُ“ کے ساتھ ”اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ...“ (اس کے بعد صاحب قربانی کا نام) پڑھ کر بھی قربانی کی جاسکتی ہے۔ [5]

(26) اونٹ کو کھڑا کر کے نحر کرنا اور اس کے سوا باقی جانوروں کو لٹا کر ذبح کرنا مسنون عمل ہے۔

جناب زیاد بن جبیر الثقفی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا جب کہ وہ ایک آدمی کے پاس آئے جو اپنے قربانی کے اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا تو انھوں نے فرمایا:

”ابْعَثْهَا قِيَامًا مُقَيَّدَةً سُنَّةَ مُحَمَّدٍ ﷺ.“

”اسے کھڑا کر کے باندھو (پھر نحر کرو)۔ یہی محمد کریم ﷺ کی سنت ہے۔“ [6]

سیدۃ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”وَأَخَذَ الْكَبْشَ فَأَضْجَعَهُ ثُمَّ ذَبَحَهُ.“

---

[1] صحيح مسلم: ١٩٦٧ ـ سنن أبي داؤد: ٢٧٩٢

[2] صحيح البخاري: ٧٣٩٩ ـ صحيح مسلم: ١٩٦٦

[3] سنن أبي داؤد: ٢٧٩٥ ـ سنن ابن ماجه: ٣١٢١ ـ الدعوات الكبير للبيهقي، بتحقيق بدر بن عبد الله البدر: ٥٤٤ وسنده حسن لذاته

[4] صحيح مسلم: ١٩٦٧ ـ سنن أبي داؤد: ٢٧٩٢

[5] صحيح مسلم: ١٩٦٧ ـ سنن أبي داؤد: ٢٧٩٢

[6] صحيح البخاري: ١٧١٣ ـ صحيح مسلم: ١٣٢٠

”اور آپ ﷺ نے مینڈھے کو پکڑا، اس کو لٹایا، پھر ذبح کر دیا۔“ [1]

۲۷) بلاشبہ دس ذوالحجہ قربانی کا عظیم ترین دن ہے کیوں کہ یہ عشرۃ ذوالحجہ کے ان ابتدائی دس دنوں میں شامل ہے جن میں کیے گئے اعمال، سال کے باقی دنوں کی نسبت کہیں زیادہ افضل و برتر ہیں۔ تاہم ایامِ قربانی کے سلسلے میں علماء اُمت کا خاصہ اختلاف ہے۔ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار کے پیشِ نظر، راجح موقف کے مطابق ایامِ قربانی (۱۰، ۱۱، اور ۱۲ ذوالحجہ) تین دن ہی ہیں۔ [2]

۲۸) قربانی کا گوشت، کھال، اور جھول وغیرہ ذاتی استعمال میں لانا یا صدقہ وہدیہ کر دینا مشروع اور بطور اجرت قصاب کو دینا ممنوع ہے۔ بعینہ قربانی کا گوشت یا کھال بیچنا بالاولی ناجائز ہے۔

سیدنا علی بن ابی الطالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے انھیں حکم دیا:

”أَنْ يَقُومَ عَلَى بُدْنِهِ وَأَنْ يَقْسِمَ بُدْنَهُ كُلَّهَا لُحُومَهَا وَجُلُودَهَا وَجِلَالَهَا وَلَا يُعْطِيَ فِي جِزَارَتِهَا شَيْئًا.“

”وہ قربانی کے اونٹوں کی نگہداشت کریں اور ان کا گوشت چمڑا اور جھولیں سب خیرات کر دیں۔ نیز قصاب کو بطور اُجرت ان میں سے کوئی چیز نہ دیں۔“ [3]

جناب ابوہریرۃ الدوسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مَنْ بَاعَ جِلْدَ أُضْحِيَتِهِ فَلَا أُضْحِيَّةَ لَهُ.“

”جس شخص نے اپنی قربانی کی کھال فروخت کی تو اس کی قربانی نہیں۔“ [4]

۲۹) قربانی، زندہ افراد کی طرف سے مشروع اور ان کا حق ہے۔ میت کی طرف سے مستقل طور پر قربانی کرنے کی کوئی خاص دلیل موجود نہیں ہے۔ اس حوالے سے وارد صریح روایات تو ضعیف اور غیر ثابت ہیں اور جو صحیح ہیں ان سے غلط طور پر استدلال کر کے اس کا جواز فراہم کیا جاتا ہے۔ تاہم بطورِ صدقہ، میت کی طرف سے قربانی کی جا سکتی ہے لیکن ایسی قربانی کا سارا گوشت اور کھال وغیرہ غرباء ومساکین میں صدقہ کر دینا چاہیے۔

فائدۃ:

امام عبداللہ بن المبارک المروزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يُتَصَدَّقَ عَنْهُ وَلَا يُضَحَّى عَنْهُ وَإِنْ ضَحَّى فَلَا يَأْكُلُ مِنْهَا شَيْئًا وَيَتَصَدَّقُ بِهَا كُلِّهَا.“

”مجھے زیادہ پسند یہ ہے کہ میّت کی طرف سے قربانی کی بجائے صدقہ کر دیا جائے۔ اور اگر کسی نے اس کی طرف سے قربانی کر دی تو اس میں سے کچھ نہ کھائے بل کہ تمام کو صدقہ کر دے۔“ [5]

۳۰) کتاب وسنت میں قربانی کے گوشت کے کھانے، ذخیرہ کرنے یا تقسیم کرنے کی کوئی خاص تحدید موجود نہیں ہے لہٰذا یہ ساری صورتیں جائز

---

[1] صحيح مسلم: ١٩٦٧ - سنن أبي داؤد: ٢٧٩٢

[2] مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: ماہنامہ اشاعۃ الحدیث، حضرو، ش: ٤٤، ص: ١٢-٦

[3] صحيح البخاري: ١٧١٧ - صحيح مسلم: ١٣١٧

[4] المستدرك على الصحيحين، بتحقيق مصطفى عبد القادر عطا: ٣٤٦٨ - السنن الكبير للبيهقي، بتحقيق عبد الله بن عبد المحسن التركي: ١٩٢٥٩ وسنده حسن لذاته

[5] سنن الترمذي: تحت الحديث: ١٤٩٥

ہیں۔تاہم اگر معاشرے میں تنگ دستی وغربت کا دوردورہ ہوتو مستحب ہے کہ گوشت کے تین حصے کر لیے جائیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيرَ﴾

’’پھر ان میں سے خود بھی کھاؤ اور محتاج فقیر کو بھی کھلاؤ۔‘‘ [1]

سیدنا سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”مَنْ ضَحَّى مِنْكُمْ فَلَا يُصْبِحَنَّ بَعْدَ ثَالِثَةٍ وَبَقِيَ فِي بَيْتِهِ مِنْهُ شَيْءٌ فَلَمَّا كَانَ العَامُ المُقْبِلُ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، نَفْعَلُ كَمَا فَعَلْنَا عَامَ المَاضِي؟ قَالَ: كُلُوا وَأَطْعِمُوا وَادَّخِرُوا، فَإِنَّ ذَلِكَ العَامَ كَانَ بِالنَّاسِ جَهْدٌ، فَأَرَدْتُ أَنْ تُعِينُوا فِيهَا.“

’’تم میں سے جس نے قربانی کی ہے وہ تیسرے دن اس حالت میں صبح کرے کہ اس کے گھر میں قربانی کے گوشت میں سے کچھ بھی باقی نہ ہو۔جب دوسرا سال آیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ کے رسول ﷺ! ہم اس سال بھی وہی کریں جو پچھلے سال کیا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: خود کھاؤ، دوسروں کو کھلاؤ اور ذخیرہ بھی کرو۔پچھلے سال تو لوگ تنگی میں مبتلا تھے اس لیے میں نے چاہا کہ تم لوگوں کی مشکلات میں ان کا تعاون کرو۔‘‘ [2]

ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم وتب علينا إنك أنت التواب الرحيم وصلى الله وسلم وبارك على سيدنا ونبينا محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين.

❋ ❋ ❋

[1] سورة الحج، الآية:٢٨

[2] صحيح البخاري:٥٥٦٩۔صحيح مسلم:١٩٧٤

مظلوم مدینہ اور ان کی شخصیت

ابوالوفا محمد حماد اثری
asrihammad@gmail.com

سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے زمانے سے بات شروع کرتے ہیں، امام حسن بصری کے سن شعور کی آمد تھی، امام رحمہ اللہ اس زمانے کا نقشہ کچھ یوں کھینچے ہیں، فرماتے ہیں سیدنا عثمان کے زمانے میں:

''ہر دوسرے روز پو پھوٹتے ہی اعلان عام ہوجاتا، لوگو! آؤ، عطیے لے جاؤ، کپڑے لے جاؤ، مخلوق خدا آتی، مال تقسیم کر دیا جاتا۔ یہاں تک کہ اوس کے لوگوں نے سنا، لوگو! شہد لے جاؤ، گھی لے جاؤ۔ دشمن کو نکال دیا گیا تھا، مال و زر کی بہتات تھی، اور سب سے مزے کی بات کہ مسلمان کو مسلمان سے خوف کوئی نہیں تھا، وہ بھائی بھائی تھے، ایک دوسرے کے مددگار تھے۔'' [1]

دو خوبیاں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا امتیاز رہی ہیں۔ باحیا تھے اور باوفا تھے۔ اسلام کو جب بھی مشکل پیش آئی، اپنا مال خدا کی راہ میں لٹوا دیا۔ مسلمان کا خون بہتا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ تمام عمر مسلمانوں کو ایک تسبیح کے دھاگے میں پروئے رکھا۔

ثقہ تابعی عامر بن عبدہ رحمہ اللہ نے انہیں دیکھا تو سفید لباس زیب تن کیا ہوا تھا، خوشبو کے ہلّے آتے، قرآن سنا رہے تھے، کہیں بھول جاتے تو لوگ لقمہ دیتے۔ [2]

احنف بن قیس رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی تو زرد چادر اوڑھ رکھی تھی۔ سر ڈھانپا ہوا تھا۔ [3]

فرماتے ہیں:

''میں نے اسلام میں یا جاہلیت میں کبھی زنا نہیں کیا۔'' [4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ان کا کردار کیا رہا، یہ تو سب جانتے ہیں، مسجد نبوی کی توسیع سے لے کر پانی کے کنویں تک اور کنویں سے لے کر اونٹوں کے غلے تک عثمان ہی تو نظر آتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کے ساتھ جو سلوک تھا وہ بھی سب کو معلوم، بدر میں حاضر نہ ہوں تو ان کا حصہ مقرر کر دیا جائے، ایک بیٹی فوت ہوجائے تو دوسری نکاح میں دے دی جائے! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے زمانوں کا عثمان دیکھنا چاہتا ہوں۔

اگر کوئی پوچھے، اخلاق، کردار، عزت، عظمت، شرافت، محبت، وفا، ایثار اور جود و سخا کو ایک پیکر میں ملبوس کر کے دکھاؤ، تو میں اللہ کے پیمبر کے دوہرے داماد کا سراپا سامنے کردوں گا۔

---

[1] تاریخ المدینۃ: 1797، وسندہ حسن
[2] تاریخ دمشق: 39/234، وسندہ صحیح
[3] سنن الکبری للنسائی: 4391، وسندہ حسن
[4] المستدرک علی الصحیحین: 37

وفا ایسی کہ اپنی جان تک کو خطرہ ہے، مگر کملی والے نے کہا تھا، خلعت خلافت نہیں اتارنی، سو نہیں اتاری۔

حالات پر ایسی دور رس نگاہیں، کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ کا عہد نامہ آپ سے لکھوایا تو آپ نے خلیفہ کے نام کی جگہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا نام لکھ دیا۔ اہلیت ایسی کہ یارِ غار رسول تڑپ اٹھا، فرمایا: عثمان اگر آپ اپنا نام بھی لکھ دیتے تو یقیناً آپ اس کے اہل تھے۔ [1]

محبت ایسی کہ تمام عمر کملی والے کے آثار کا تتبع کرتے رہے۔ کبھی لوگوں کو وضو کا طریقہ سکھا رہے ہوتے، تو کبھی عقیدہ توحید کی تعلیم دیتے۔ [2] کبھی باقیات صالحات کی تعلیم دیتے۔ [3]

حدیثیں بہت یاد تھیں، پر ''من كذب علي...'' والی وعید سے ڈرتے تھے، سو بیان کم کرتے تھے۔ [4]

قرآن سے اتنی محبت کہ مورخ نے جھوم کر ان کو جامع القرآن لکھا، اپنی رعایا سے سوال کرتے، قرآن کتنا یاد ہے آپ کو؟ [5] سورہ یوسف کی تلاوت کا معمول بنا لیا تھا، فرافصہ بن عمیر کہتے ہیں، میں نے سورہ یوسف یوں یاد کی کہ عثمان رضی اللہ عنہ صبح کی نماز میں اکثر اس کی تلاوت کیا کرتے تھے، وہیں سے میں نے یاد کر لی۔ [6]

اعتماد اور حیاداری کا جو نمونہ کملی والے کے زمانے میں دیکھا گیا تھا، تادم آخریں قائم رہا۔ امہات المومنین نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے حج پر جانے کی اجازت مانگی تو آپ نے ان کے ساتھ سیدنا عثمان اور سیدنا عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہما کو روانہ کیا، یہ حیا کا تاج دار وادی کی ایک نکڑ پر کھڑا ہوتا تھا، جہاں سے امہات کی اونٹنیوں کا ہودج نظر آتا، اور ان تک کسی کی نظر نہیں جاتی تھی۔ [7]

خلیفہ تھے، مگر خود کو ہمیشہ محاسبے کے لئے پیش کیا، ایک موقع پر فرمایا:

''یہ میرے دو قدم ہیں، اگر تمہیں کتاب اللہ سے انہیں پابند سلاسل کرنے کا جواز ملے تو کر دینا۔'' [8]

کبھی اندر کی تڑپ کا اظہار یوں کرتے، فرماتے:

''میں نے اگر کسی پر ظلم کیا تو اللہ سے معافی مانگتا ہوں اور اگر مجھ پر کوئی ظلم کیا گیا تو میں اسے معاف کر رہا ہوں۔'' [9]

قبر پر کھڑے ہوتے تو آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتیں، کہتے، یہ آخرت کی منزلوں سے پہلی منزل ہے۔ جو اس میں کامیاب رہ گیا، آگے بھی کامیاب ہوگا، جو اس میں پکڑا گیا، آگے بھی پکڑا جائے گا۔

ایک غلام نے ولیمے کی دعوت پر بلایا تو چلے گئے، فرمایا: میں روزے سے ہوں، مگر دعوت قبول کر کے آ گیا ہوں، اب آپ کے برکت

---

[1] تاریخ دمشق: 39/185، وسندہ حسن
[2] صحیح مسلم: 26
[3] مسند البزار: 387
[4] مسند احمد: 469، وسندہ حسن
[5] موطا امام مالک: 7، وسندہ صحیح
[6] موطا امام مالک: 35، وسندہ صحیح
[7] سنن الکبری للبیقھی: 438
[8] فضائل الصحابۃ لاحمد بن حنبل: 897، وسندہ صحیح
[9] تاریخ ابی زرعہ: 1/92، وسندہ صحیح

کی دعا کئے دیتا ہوں۔ [1]

مسجد نبوی میں پتھر پڑے تھے، مالک ابو عامر نے دیکھا، خلیفہ وقت اپنے جوتوں سے وہ سنگریزے سیدھے کر رہا تھا۔ [2]

موسی بن طلحہ بیان کرتے ہیں، عثمان رضی اللہ عنہ منبر پر تھے، موذن اذان کہہ رہا تھا اور آپ لوگوں سے ان کے احوال اور بازار میں چیزوں کے بھاؤ پوچھ رہے تھے۔ [3]

ولید بن عقبہ آپ کے بھائی تھے، انہوں نے شراب پی تو ان کو کوڑے لگوائے۔ [4]

اسلام کی بے پایاں وسیع سلطنت کے بلا شرکت غیرے حکمران، مگر لوگوں کے عام سوالوں کے جواب دے رہے ہیں۔

مصری لونڈے جب آپ کے گھر کا محاصرہ کر رہے تھے تو انہوں نے کچھ سوال پوچھے، آپ ان کے جوابات دیتے رہے، انہوں بعض ایسے اعتراض بھی کئے، جن کا جواب دینے کی بجائے آپ نے اللہ کی طرف چہرہ اٹھا دیا، فرمایا: استغفر اللہ و اتوب الیہ! [5]

یہ مصری لونڈے اسی منافق جماعت کے فرد تھے، جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشینگوئی کر دی تھی کہ عثمان! اللہ آپ کو خلافت کی قمیص دیں گے، اگر منافق تجھے کہیں کہ وہ قمیص اتار، تو وہ قمیص اتارنی نہیں ہے۔ [6]

انہوں نے مدینے میں کہرام مچا رکھا تھا، اس کے پیچھے کام کر رہی تھی خارجی ذہنیت، عجیب قسم کے اعتراضات تھے۔ جب انسان تقوے کے زعم میں مبتلا ہو جاتا ہے، پھر عجیب و غریب تاویلوں سے اگلوں کو کافر کرنے کے درپے رہتا ہے۔

جناب عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ بھی اعتراض تھا کہ انہوں نے چراگاہ کو وسعت کیوں دی ہے، وہ تو قرآن کے خلاف ہے۔ حالاں کہ وہ چراگاہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بنوا کر گئے تھے۔ [7]

باغیوں کو سمجھا رہے تھے کہ اپنے آپ کو پاک نہ کہو اور انا امت کو برباد کرو۔ صحابہ آپ کے ساتھ تھے، مگر یہاں بھی آپ پر کملی والی کی محبت غالب رہی، خلعت خلافت اتاری نہیں، مگر اس خلعت کی خاطر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں خون بہانا بھی گوارا نہیں کیا۔ بلکہ لوگوں سے کہہ دیا تھا۔ میرا سب سے زیادہ خیر خواہ وہ ہوگا، جس نے اپنے ہتھیار اور اپنے ہاتھ کو روکے رکھا۔ [8]

شام میں خطباء کا اجتماع تھا، سیدنا مرہ بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”فتنے کے دور میں یہ چادر والا حق پر ہوگا، وہ چادر والے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔“ [9]

اسی طرح آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] الزهد لاحمد بن حنبل: 689

[2] موطا امام مالک: 45، وسنده صحيح

[3] فضائل الصحابة لاحمد بن حنبل: 812، وسنده حسن

[4] فضائل الصحابة لاحمد بن حنبل: 791، وسنده صحيح

[5] مصنف ابن ابی شيبة: 38679، وسنده صحيح

[6] تاريخ المدينة: 1067، وسنده صحيح

[7] تاريخ المدينة: 3/1139، وسنده صحيح

[8] مصنف ابن ابی شيبة: 38، وسنده صحيح

[9] سنن الترمذی: 2704، وسنده صحيح

”فتنے کے دور میں عثمان اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ مل جانا۔“ [1]

میرے عثمان نے کسی حرام کا ارتکاب نہیں کیا تھا، صرف پیسوں کی خاطر خلیفہ رسول کے خلاف شورش برپا کر دی گئی تھی، اسی لئے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک خارجی سے کہہ دیا تھا، عثمان اگر تم کو دولت دے دیں گے تو تم ان کے ساتھ ہو جاؤ گے!! کیا تم فارس و روم کی طرح بننا چاہتے ہو، ان میں جو بھی امیر بنتا ہے، اس کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ [2]

البتہ حالات کے اس نبض شناس نے یہ پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو پھر کبھی مل کر نماز ادا نہیں کر سکو گے، نہ مل کر دشمن سے جہاد کر سکو گے۔ [3]

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا محاصرے کے دنوں میں آپ کو کھانا پہنچایا کرتی تھیں، آپ نے سوچا میں باغیوں ظالموں کو عثمان کے گھر سے ہٹا دیتی ہوں، اشتر نخعی نے دیکھا تو آپ کے خچر پر ضربیں ماریں، تب آپ فرمانے لگیں: مجھے واپس لے جاؤ، کہیں یہ کتا مجھے رسوا نہ کر دے۔ [4]

اب شہادت کا وقت قریب آ رہا تھا، روزہ رکھ چھوڑا تھا، کہ نیند آ گئی، آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، فرمایا: عثمان! آج افطاری ہمارے یہاں کیجئے گا۔ [5]

باغی قصرِ خلافت پر محاصر ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد نے انہیں سلام کہا، انہوں نے جواب دینا بھی گوارہ نہیں کیا۔ ایسا بھی کوئی ظالم ہو سکتا ہے؟! عثمان ان کو اپنی نیکیاں یاد دلاتے رہے، نصیحت کرتے رہے، مگر ان پر کچھ اثر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ نبی سے اپنا رشتہ بتاتے، باغی بات سنی ان سنی کر دیتے۔ آپ نے دروازہ کھولا، ایک شخص داخل ہوا، فرمایا: میرا اور تمہارا فیصلہ یہ قرآن کرے گا، وہ یہ سن کر باہر نکل گیا، پھر ایک شخص داخل ہوا، اسے سیاہ موت کہا جاتا تھا۔ اس نے آپ کا گلا دبایا، وہ باہر چلا گیا، کہتا تھا: اس شخص سے زیادہ نرم گلا کسی کا نہیں دیکھا۔ پھر ایک اور بندہ آتا ہے، تلوار چلاتا ہے، عثمان ہاتھ سے تلوار روکنے کی کوشش کرتے ہیں، ہاتھ کٹ جاتا ہے۔ تو بے ساختہ فرماتے ہیں بخدا! یہ وہ ہاتھ تھا جس نے سب سے پہلے قرآن کی مفصل سورتوں کی کتابت کی تھی۔ ظالموں نے پھر وار کر کے شہید کر دیا، خون کے قطرے قرآن کے ان لفظوں پہ گرے:

﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾

”اللہ تجھے ان سے کافی ہو جائے گا، یقیناً وہ سننے والا جاننے والا ہے۔“ [6]

امام یحییٰ بن بکیر کہتے ہیں، یہ اٹھارہ ذی الحجہ کا دن تھا۔ [7]

اللہ آپ کے دشمنوں سے کافی ہو گیا، ایسا کافی ہوا کہ قیامت تک کے لئے ان کا نام و نشان عبرت بنا دیا گیا۔ عثمان کل بھی زندہ تھے، عثمان آج بھی زندہ ہیں، ہاں مگر ان پر ہونے والا ظلم صرف ان پر ہونے والا ظلم نہیں تھا، اس ظلم نے امت کا چہرہ بگاڑ کر رکھ دیا، کتنی جنگیں ہو گئیں،

[1] صحیح ابن حبان: 6914، وسندہ حسن

[2] تاریخ المدینہ: 1115، وسندہ صحیح

[3] الطبقات لابن سعد: 3/52، وسندہ حسن

[4] تاریخ المدینہ 1311/4، وسندہ حسن

[5] مصنف ابن ابی شیبۃ: 30502، وسندہ صحیح

[6] تاریخ المدینہ: 4/1310، وسندہ صحیح

[7] معرفۃ الصحابہ لابی نعیم: 251، وسندہ صحیح

فتنے بر پا ہو گئے۔ منذر بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''ہم مدینہ میں تھے کہ وہاں ایک شخص سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو گالی دینے لگا، ہم نے روکا مگر وہ باز نہیں آیا، تو اچانک بادل گرجا، بجلی آئی اور اس شخص کو جلا کر رکھ دیا۔'' [1]

سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو شہادت کی خبر ملی تو تڑپ اٹھے، فرمایا:

''ظالمو! تم نے عثمان کے ساتھ جو سلوک کیا ہے، اگر احد پہاڑ بھی اپنی جگہ سے سرک جائے تو کچھ برا نہیں ہوگا۔'' [2]

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ جن کی بہادری اپنی مثال آپ تھی۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد ہمت ہار گئے، ربذہ چلے گئے اور باقی ماندہ زندگی وہیں گزار دی۔ [3]

اسلام کے چوتھے خلیفہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے آپ کی بیعت سب سے پہلے کی تھی۔ [4] محاصرے کے دنوں میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف جانے لگے، پتھروں سے جسم نڈھال کروالیا۔ [5] اب جب انہیں عثمان کی شہادت کی خبر پہنچی، تو اللہ کے حضور اپنی براءت پیش کر دی، فرمایا:

''اللہ! میں تیرے سامنے عثمان کے خون سے براءت کا اظہار کرتا ہوں، میں نے نہ تو انہیں قتل کیا اور نہ ان کے قتل پر کسی کو ابھارا۔'' [6]

حسن بن علی اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما عثمان رضی اللہ عنہ کے دفاع میں زخمی ہو گئے۔ [7]

زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے آپ کا جنازہ پڑھایا، یہ جناب عثمان رضی اللہ عنہ کی وصیت تھی، پھر رات کے اندھیرے میں اس شخص کو دفنا دیا گیا، جس کو اسلام نے ذوالنورین (دو روشنیوں والا) کا لقب دیا تھا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را!

[1] الثقات لابن حبان: 105/7، وسندہ حسن
[2] تاریخ المدینہ: 1242، وسندہ صحیح
[3] تاریخ المدینہ: 1242/4، وسندہ صحیح
[4] صحیح البخاری: 3700
[5] تاریخ دمشق: 39/368، وسندہ حسن
[6] الطبقات لابن سعد: 3/50، وسندہ صحیح
[7] تاریخ المدینہ: 1131/3، وسندہ صحیح

دینی علوم کے طلبہ کیلیے چند برادرانہ گزارشات

طلحہ رفیق

اللہ رب العزت نے جن وانس کی پیدائش کا جو مقصد قرآن کریم میں ذکر کیا وہ اس کی خالص عبادت ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔'' [1]

حقیقی معنی میں اللہ کی عبادت یہ ہے کہ بندہ موحد ہونے کے ساتھ ساتھ تمام اوامر ونواہی کی تعظیم کرتے ہوئے ہر معاملے کو کتاب وسنت کی کسوٹی پر پرکھے۔اللہ رب العزت نے مخلوق کی پیدائش کے اس عظیم مقصد کی صحیح معنی میں تبلیغ کے لیے رُسل اور انبیاء کی پاکدامن جماعت کو مبعوث فرمایا جنہوں نے حکمت ودانائی سے ہر دور میں دعوت الی اللہ کے جھنڈے کو اٹھائے رکھا۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾

''ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا، اور اُس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کر دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔'' [2]

رسالت ونبوت کا یہ عظیم باب امام الانبیاء، خاتم الرُسل، سید الاولین والآخرین جناب محمد ﷺ پر آ کر بند ہو گیا۔پھر تبلیغِ دین اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضے کو ادا کرنے کے لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین، تبع تابعین، ائمہِ دین، محدثین کرام اور فقہاءِ عظام کا ایک تسلسل ہے جنہوں نے انبیاء کے دعوتی اسلوب کو اپناتے ہوئے کرہِ ارض پر "کلمة الله علی العلیا " کی صداؤں کو بلند کیے رکھا۔

اب جو طلباءِ کرام اور نوخیز فضلاء جامعات اس عظیم دعوتی تسلسل کا حصہ بن رہے ہیں، ان کے لیے السابقون الاولون کے مثالی منہجِ دعوت کو اپنانا ناگزیر ہے تاکہ ان کی دعوت مؤثر اور نفع بخش بن سکے۔امام مالک رحمہ اللہ سے منقول ہے:

"لن يصلُحَ آخرُ هذه الأمة إلا بما صَلَح به أولها."

''اس امت کے آخر کی اصلاح بھی اسی طریق پر ہوگی جس سے اول کی اصلاح ہوئی۔'' [3]

اس مناسبت سے کچھ گزارشات آپ قارئین حضرات کی خدمت میں رکھنا چاہتا ہوں، اس امید کے ساتھ کہ یہ مجھ جیسے طلبہ علم اور نوخیز داعی حضرات کو دعوت کی عظیم ذمہ داری نبھانے میں معاون ہوں گے۔ان شاء اللہ

---

[1] سورۃ الذاریات: 56

[2] سورۃ النحل: 36

[3] الشفا للقاضي عياض: 2/87، مجموع فتاوی ابن تیمیۃ: 1/353

① **اخلاص:**

قرآن مجید میں ہے:

﴿وَمَآ أُمِرُوٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾

’’اور انہیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس حال میں کہ اس کے لیے دین کو خالص رکھنے والے ہوں۔‘‘[1]

اخلاص کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ انسان زندگی میں جو بھی عمل کرے، جس سطح کی اور جس شکل کی بھی عبادت کرے، اس کا دل اس عبادت اور عمل میں صرف اور صرف اس بات پر مستقر ہو کہ میں یہ عبادت محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کر رہا ہوں۔ اپنے دل کو ہر قسم کی نفسانی، ظاہری و باطنی خواہشات سے پاک کر کے صرف اللہ کی رضا میں خود کو گم کر دے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”والإخلاص لله أن يكون الله هو مقصود المرء ومراده، فحينئذ تتفجر ينابيع الحكمة من قلبه على لسانه.“

’’اخلاص للہ یہ ہے کہ اللہ ہی بندے کا مقصود و مراد بن جائے، پھر اس کے دل سے حکمت کے چشمے زبان پر پھوٹتے ہیں۔‘‘[2]

داعی الی اللہ کا مقصد پیسہ یا شہرت کمانا ہرگز نہیں ہونا چاہیے، ورنہ اس کا دعوت وتبلیغ جیسا نیک عمل بھی گھاٹے کے سودے کے سوا کچھ نہیں ہو گا۔ ہاں! مگر دعوت کی برکت سے، خلوصِ نیت اور جد و جہد کے بعد دنیوی متاع میں سے اسے کچھ حاصل ہو جائے تو مضائقہ نہیں ہے۔

مشہور حدیث ہے کہ تین لوگوں کا فیصلہ سب سے پہلے کیا جائے گا۔ اس میں ایک فرمایا:

”ورَجُلٌ تَعَلَّمَ العِلْمَ، وعَلَّمَهُ وقَرَأَ القُرْآنَ، فَأُتِيَ به فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَها، قالَ: فَما عَمِلْتَ فيها؟ قالَ: تَعَلَّمْتُ العِلْمَ، وعَلَّمْتُهُ وقَرَأْتُ فِيكَ القُرْآنَ، قالَ: كَذَبْتَ، ولَكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ العِلْمَ لِيُقالَ: عالِمٌ، وقَرَأْتَ القُرْآنَ لِيُقالَ: هو قارِئٌ، فقَدْ قيلَ، ثُمَّ أُمِرَ به فَسُحِبَ علَى وجْهِهِ حتَّى أُلْقِيَ في النَّارِ...“

’’اور وہ شخص جس نے علم سیکھا اور سکھایا، قرآن پڑھا، اسے لایا جائے گا اور ان نعمتوں کو یاد کرایا جائے گا۔ جب وہ پہچان لے گا تو پوچھا جائے گا کہ پھر عمل کتنا کیا؟ وہ کہے گا: اللہ! میں نے علم سیکھا اور سکھایا، تیرے لیے قرآن پڑھا۔ اللہ کہے گا: تو نے جھوٹ کہا، تو نے علم اس لیے سیکھا کہ تجھے عالم کہا جائے اور قرآن اس لیے پڑھا کہ تجھے قاری کہا جائے، پس وہ کہہ دیا گیا۔ پھر حکم ہو گا اور اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔‘‘[3]

② **تقوی وخشیت الٰہی:**

ہر لمحہ اللہ کے ڈر کو ملحوظ رکھیے، اس چیز کو ہمیشہ یاد رکھیے کہ آپ ان لوگوں میں شمار ہونے جا رہے ہیں جو انبیاء کے وارث ہیں، سو آپ کے حصے میں صفات بھی پیمبرانہ ہونی چاہئیں۔ نبی ﷺ اپنے بارے میں فرماتے ہیں:

”أما واللهِ إني لأَخْشاكُمْ لِلّٰهِ وأَتْقاكُمْ له!“

[1] سورة البينة:5

[2] النبوات:147

[3] صحيح مسلم:1905

”خوب سمجھ لو، اللہ کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ کی خشیت رکھنے والا اور اس سے ڈرنے والا ہوں۔“ [1]

اور علم والوں کا حال بیان کرتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾

”حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے علم رکھنے والے ہی اُس سے ڈرتے ہیں۔“ [2]

تقویٰ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جس کے حاصل ہو جانے کے بعد دل گناہوں سے جھجکنے لگے اور اس میں از خود نیکی کی تڑپ پیدا ہو۔ یہی دلی کیفیت تکریم و بلندی کا معیار ہے۔ اللہ کی نظر میں ذات پات یا قومیت وغیرہ کی کوئی وقعت نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللهِ أَتْقَاكُم﴾

”درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔“ [3]

مزید فرمایا:

﴿إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ﴾

”بے شک اللہ تعالیٰ تقوی اختیار کرنے والوں سے ہی اعمال کو قبول کرتے ہیں۔“ [4]

③ کبار علماء سے وابستگی:

جید، کبار و بزرگ علماء کی زیر نگرانی اپنی تبلیغی و دعوتی سرگرمیوں کو مؤثر بنائیں اور ان کے وسیع تر تجربہ سے فائدہ اٹھائیں۔ علماء و مشائخ سے مسلسل رابطے میں رہیں اور نوازل میں اپنی رائے دینے کی بجائے ان کی طرف رجوع کریں۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”لَنْ يَزَالَ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا أَتَاهُمُ الْعِلْمُ مِنْ قِبَلِ أَكَابِرِهِمْ ، وَذَوِي أَسْلَافِهِمْ ، فَإِذَا أَتَاهُمْ مِنْ قِبَلِ أَصَاغِرِهِمْ هَلَكُوا۔“

”لوگ تب تک خیر پر رہیں گے جب تک علم اکابر اور اپنے اسلاف سے لیتے رہیں گے۔ جب علم کا مصدر اصاغر بن جائیں گے، تو ہلاک ہو جائیں گے۔“ [5]

اکابر سے مراد علم میں بڑے بھی ہیں اور عمر میں بڑے بھی۔ ان سے وابستگی کی تعلیم اس لیے دی گئی ہے کہ اس عمر میں جذبات کی حدت ماند ہو جاتی ہے، رائے میں پختگی آ جاتی ہے، تجربات کی بھٹی مواقف کو نکھار چکی ہوتی ہے۔ امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”يريد: لا يزال الناس بخير ما كان علماؤهم المشايخ ولم يكن علماؤهم الأحداث؛ لأنَّ الشيخ قد زالت عنه متعةُ الشباب وحدته وعجلته وسفهه، واستصحب التجربة والخبرة فلا يدخل عليه في علمه الشبهة ولا يغلب عليه الهوى ولا يميل به الطمع ولا يستزله الشيطان إستزلال الحدث، ومع

---

[1] صحيح البخاري:5063
[2] سورة الفاطر:28
[3] سورة الحجرات:13
[4] سورة المائدة:27
[5] المعجم الكبير للطبراني:8513

السن الوقار والجلالة والهيبة، والحدث قد تدخل عليه هذا الأمور التي أمنت على الشيخ فإذا دخلت عليه وأفتى هلك وأهلك."

"ان کی مراد ہے کہ لوگ تب تک خیر پر رہیں گے جب تک ان کے علماء نوجوانوں کی بجائے بزرگ لوگ ہوں گے، کیوں کہ بزرگ آدمی سے جوانی کی خواہشات، گرمجوشی، جلد بازی اور حماقتوں کا عنصر ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ تجربات سے گزرنے اور جہاں دیدہ ہونے کے باعث اس کا علم شبہات قبول نہیں کرتا، ہوائے نفس اس پر غالب نہیں آتی، لالچ اسے گمراہ نہیں کرتی، شیطان اس کو ویسے نہیں پھسلا سکتا جیسے جوان شخص کو پھسلاتا ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ وقار، جلال اور ہیبت بڑھ جاتی ہے۔ جبکہ جوان آدمی کو بہت سی چیزوں کا خطرہ رہتا ہے جس سے بزرگ محفوظ ہوتے ہیں، سو جب اس سے فتویٰ طلب کیا جاتا ہے تو وہ خود بھی ہلاک ہوتا ہے، دوسرے کو بھی کرتا ہے۔" [1]

④ حصولِ علم جاری رکھنا:

اگرچہ آپ مدارس و جامعات کی رسمی تعلیم سے فراغت حاصل کر چکے ہوں، مگر اپنے مطالعہ کو وسیع سے وسیع تر کرنے اور پختگی لانے کے لیے ہمیشہ علم حاصل کرتے رہیں، کیوں کہ علم شرعی ایسا سمندر ہے جس کا کوئی ساحل یا کنارہ نہیں ہے۔ اور جس شخص نے علم کو بطورِ عبادت حاصل کیا ہو، تو اسے زیب نہیں دیتا کہ کسی موقع پر وہ اسے ترک کر دے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾

"اپنے رب کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ تمہیں موت آلے۔" [2]

نیز حاصل کردہ علوم شریعہ کی مسلسل دہرائی کرتے رہیں تاکہ متون و مسائل آپ کو ازبر رہیں اور ضرورت پڑنے پر ادلہ سے استنباط کرنے میں دقت پیش نہ آئے۔

⑤ ضروری نہیں کہ ہر مسئلہ میں داعی کی کوئی رائے ہو:

جن مسائل میں شریعت کے اندر گنجائش موجود ہو، تو ان میں آپ بھی گنجائش رکھیں۔ یا کسی مسئلے میں اگر آپ کے پاس کافی علم نہ ہو تو اپنے علم پر قناعت کریں، اور خود ساختہ رائے دینے سے گریز کریں۔ سلف صالحین "لا أدري" کہنے کو نصف علم گردانتے تھے۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"مَن عَلِمَ فَلْيَقُلْ، ومَن لم يَعلَمْ فَلْيَقُلِ اللهُ أعْلَمُ، فإنَّ مِنَ العِلْمِ أنْ يَقولَ لما لا يَعلَمُ: لا أعْلَمُ."

"جس علم ہو وہ بیان کرے، جسے علم نہ ہو وہ کہے اللہ بہتر جانتا ہے، کیونکہ یہ بھی علم ہی ہے کہ نہ پتہ ہونے پر انسان کہہ دے مجھے نہیں پتہ۔" [3]

بالخصوص اجتہادی مسائل اور نوازل میں کبار و جید علماء کرام کی رائے آنے کے بعد اس کا احترام کرنا چاہیے۔

---

[1] نصيحة أهل الحديث للخطيب البغدادي:8

[2] سورة الحجر:99

[3] صحيح البخاري:4774

⑥ کسی منفی سوچ کا حصہ مت بنیں:

میدان میں پہلے سے موجود کسی داعی کو خیر کا کام کرتے دیکھیں تو اس کی حوصلہ افزائی کریں، نا کہ اس کے کام میں کسی قسم کی رکاوٹ ڈالیں۔ اور اس کے کارِ خیر کے فیوض کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کی بعض کوتاہیوں کو عوام الناس میں اچھالنا شروع کر دیں۔ یقینا اس دنیا میں خامیوں سے پاک کوئی بھی نہیں ہے۔ اگر کسی کی کوئی خامی دیکھیں تو اخلاص کے ساتھ علیحدگی میں مشورہ دے دیں۔

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”كان السَّلفُ إذا أرادوا نصيحةَ أحدٍ، وعظوه سراً حتّى قال بعضهم: مَنْ وعظ أخاه فيما بينه وبينَه فهي نصيحة، ومن وعظه على رؤوس الناس فإنّما وبخه.“

”سلف صالحین جب کسی کو نصیحت کرنا چاہتے تو اسے تنہائی میں نصیحت کرتے، یہاں تک کہ بعض سلف نے فرمایا: جس نے اپنے بھائی کو اکیلے میں نصیحت کی اس نے خیر خواہی کی، اور جس نے سب کے سامنے کی اس نے ڈانٹ ڈپٹ کی۔“ [1]

اس سوچ کا حصہ نہیں بننا کہ ہر خیر کا کام ”میرے“ ہی ہاتھ سے ہونا چاہیے تھا۔ میں، میرے اور لیکن جیسے الفاظ کو اپنی ڈکشنری سے نکال کر بغیر دل تنگ کیے خیر کے کام میں معاون بننا چاہیے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾

”نیکی وتقوی کے کاموں میں ایک دوسرے کے معاون بنو۔“ [2]

⑦ حکمت، نرمی، صبر اور وسعتِ قلبی:

دعوت کے میدان میں آپ کو اپنا اسلوبِ دعوت انتہائی مہذب، اخلاق یافتہ، حکمت وبصیرت سے بھرپور رکھنا ہوگا تاکہ عامۃ الناس کو آپ سے علم حاصل کرنے میں آسانی اور شرحِ صدر ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾

”اے نبی! اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ، اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو۔“ [3]

مزید فرمایا:

﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾

”اگر آپ تندخو، سخت دل ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے بکھر جاتے۔“ [4]

شیخ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”هذا العصر عصر الرفق والصبر والحكمة، وليس عصر الشدة، الناس أكثرهم في جهل، في غفلة

---

[1] جامع العلوم والحکم: 1/236

[2] سورۃ المائدۃ: 2

[3] سورۃ النحل: 125

[4] سورۃ آل عمران: 159

إيثار للدنيا، فلابد من الصبر، ولا بد من الرفق حتى تصل الدعوة، وحتى يبلغ الناس وحتى يعلموا، ونسأل الله للجميع الهداية!"

"یہ دور نرمی اور صبر وحکمت کا دور ہے، سختی کا دور نہیں ہے۔ اکثر لوگ جاہل ہیں، دنیا کے پیچھے غافل ہیں، پس صبر لازم ہے، نرمی ضروری ہے، تاکہ دعوت پہنچ جائے، اور لوگوں کو تبلیغ ہو، اور وہ جان لیں۔ ہم اللہ سے سب کیلیے ہدایت کا سوال کرتے ہیں۔" [1]

اسی طرح اگر داعی تمام خوبصورت صفات کا مالک ہو مگر دل کی کشادگی جیسی عظیم نعمت سے محروم ہو تو عامۃ الناس کو بات قبول کرنے میں ہمیشہ جھجک محسوس ہوگی۔ دل کی کشادگی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ مداہنت کا رویہ رکھیں، لیکن مخالف کی بات پر صبر کریں اور اپنے موقف کو قرآن وسنت کی روشنی میں احسن انداز میں پیش کر دیں۔ جن مسائل میں اختلاف سائغ ہو، ان میں اپنے دل کو وسیع رکھنا چاہیے۔ ان کی وجہ سے کینہ پروری، لڑائی جھگڑے اور انتشار کی فضا سے حد ممکن بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور پوری کوشش ہونی چاہیے کہ عوام الناس کو اختلافی مسائل میں نہ الجھایا جائے، انہیں کتاب وسنت کی روشنی میں سیدھی سادی رہنمائی کر دی جائے۔ اختلافی مطالب طلبہ کے مابین رہنے چاہییں۔

⑧ کم تعداد سے مایوس مت ہوں:

انتہائی لگن، خوش اسلوبی اور اخلاص کے ساتھ دعوت الی اللہ کے فریضے کو انجام دیتے رہیے، کہیں بھی شیطان مردود آپ کو مدعوین کی قلت یا مستفیدین کی کم تعداد کے وسوسے سے بھٹکا مت دے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"عُرِضَتْ عَلَيَّ الأُمَمُ، فَرَأَيْتُ النبيَّ ومعهُ الرُّهَيطُ، والنبيَّ ومعهُ الرَّجُلُ والرَّجلانِ، والنبيَّ ليسَ معهُ أحَدٌ."

"مجھ پر امتیں پیش کی گئیں، میں نے دیکھا کہ کسی نبی کے ساتھ چند ہی لوگ ہیں، کسی کے ساتھ ایک یا دو بندے ہیں، اور کسی کے ساتھ ایک بھی نہیں ہے۔" [2]

یہ بات بھی ہمیشہ ذہن میں رکھیں:

﴿وَمَا عَلَيْنَآ إِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾

"اور ہم پر تو صرف صاف صاف پیغام پہنچا دینا ہے۔" [3]

اس دعوت میں برکت عطا کرنا، اس کو بارآور کرنا اللہ رب العزت کا کام ہے۔

فقیہ زماں شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ دعوت کے ابتدائی ایام میں عنیزہ شہر کی ایک چھوٹی سی مسجد میں گنتی کے کچھ لوگوں کو درس دیا کرتے تھے۔ لیکن اب صورت حال یہ ہے کہ ان کی وفات کے بعد ان کی علمی تراث کا ایک تانتا بدستور بندھا ہوا ہے، اور آج ان کی کتب سے لاکھوں فرزندان توحید استفادہ کر رہے ہیں۔

---

[1] مجموع فتاوى ابن باز: 8/376

[2] صحيح البخاري: 5705، صحيح مسلم: 220

[3] سورة يس: 17

الغرض پورے اخلاص سے دعوت دینا آپ کا کام ہے،اس دعوت کوثمر بار کرنا اللہ رب العزت کا کام ہے۔

⑨ **دینی مشروع اور پروجیکٹ:**

استطاعت ہوتوخود کوئی دینی ادارہ قائم کریں یاعلمی پراجیکٹ شروع کریں اوراس پلیٹ فارم سے خیر کے کاموں کا آغاز کریں، جوآپ کے بعد بھی صدقہ جاریہ بنے رہیں۔جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

”إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقَطَعَ عنه عَمَلُهُ إِلَّا مِن ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِن صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو له.“

’’جب انسان مرجاتا ہےتو تین اعمال کے سواہر عمل کا اجر منقطع ہوجاتا ہے: جاری رہنے والا صدقہ، وہ علم جس سے نفع اٹھایا جائے، نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔‘‘ [1]

بچوں کی دینی تعلیم پر خصوصی توجہ دیں کیونکہ بچے ہر تعلیم کا گہرا اثر لیتے ہیں جو کہ بعد میں ان کی شخصیت کا حصہ بن جاتی ہے۔محدث گوندلوی رحمہ اللہ نصیحت کیا کرتے تھے کہ مسجد میں آنے والے بچوں پر خصوصی توجہ دیں، یہ آپ کا مستقبل ہیں۔

پھر آج کل انٹرنیٹ کا زمانہ ہے۔دعوت کے نت نئے طریقے میسر ہیں۔انہیں ہر ممکن بروئے کار لاکر کوئی مفید مشروع قائم کرنا چاہیے۔ عالمِ ربانی شیخ ابن باز رحمہ اللہ کی نصیحت ملحوظ نظر رہے۔فرماتے ہیں:

’’میڈیا کو ایسے بندوں کی ضرورت ہے جو اللہ کا خوف رکھتے ہوں، اُس سے ڈرنے والے ہوں، اُس کی عظمت کا احساس رکھتے ہوں، جو اس بات کا خوب خیال رکھیں کہ ان کی نشر کی گئی ہر چیز معاشرے اور اہلِ اسلام کیلیے نفع مند ہونی چاہیے۔‘‘ [2]

⑩ **ذریعۂ معاش:**

اس میں کوئی شک نہیں کہ معاشی طور پر ایک داعی کو مستحکم اور مضبوط ہونا چاہیے،لیکن اس کے معاش کا انحصار اس کی دعوت پر نہ ہو تو بہتر ہے۔دعوت کے ساتھ ساتھ کوئی ایسا پیشہ اختیار کریں جو آپ کا کم وقت اور کم صلاحیتیں لے۔تاکہ آپ کے معاشی مسائل بھی حل ہوتے رہیں اور دعوت الی اللہ کے عظیم کام میں پیسہ یا کوئی اور وجہ رکاوٹ بھی نہ بن سکے۔نبی ﷺ، صحابہ کرام اور ان کے بعد محدثین وعلماء تعلیم وتعلم کے ساتھ ساتھ تجارت اور کاروبار کیا کرتے تھے۔بلکہ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ دعوت وتعلیم سے کچھ کمانے کی بجائے خود کما کر دعوت پر لگادیں۔

اللہ ہمیں اخلاص عطا فرمائے اور ہمارا حامی وناصر ہو۔

[1] صحیح مسلم:1631

[2] مجموع فتاوی ومقالات:6/179

MONTHLY
AL-MAHAJJA

ONLINE

AUGUST 2020
ISSUE NO: 03

مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”جو انسان محض ایک تاریخی قضیے میں کسی مخاصمے اور مجادلے کے اُبھرنے سے پہلے محض اپنی ذاتی تحقیق کے مرحلے میں اپنے نقطہ نظر کے اسباب کے لیے قصداً تحریف وفریب کاری جیسے کارناموں کا ارتکاب کرڈالتا ہو، اوراس ناروا حرکت کے ذریعہ بعض چوٹی کے صحابہ کرام کو جاہلیت کا درآمد کنندہ یا جاہلیت کا ٹھیٹھ نمائندہ قرار دیتا ہو، اوراسی پر اپنے فہمِ اسلام اور اصولِ تحریک کی بنیاد رکھتا ہو، اس کی برپا کردہ اسلامی تحریک پر اعتماد کی گنجائش کا دائرہ انتہائی تنگ ہوجاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ موصوف سے عقیدت کے باوجود جب ان کی تحریر کا یہ چونکادینے والا پہلو سامنے آیا تو میں بڑی حد تک مضطرب اور متزلزل ہوگیا۔ اور پھر جا و بیجا اس کے متعدد ثبوت مل جانے کے بعد طبیعت نے کسی طرح گوارا نہ کیا کہ بایں ہمہ موصوف سے عقیدت ووابستگی برقرار رکھی جائے۔“

(ہفت روزہ ”الاعتصام“، اشاعتِ خاص بیاد مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ: 973)